Taliere.

DATE LABEL

14 AUG 2001		3/10	
14 AUG 2001	30/7/2001	25	

Date.......

...No...36011

This book should be returned on or before the last sta
An overdue charges of 6 nP. will be levied for each day.
kept beyond that day.

خلاصۂ تحفۃ النظّار

یعنی

سفرنامۂ شیخ ابنِ بطوطہ

از

جناب مولوی عبدالرحمٰن خانصاحب

صدر حیدرآباد اکاڈیمی

مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی

قیمت مجلّد عہ
قسم اعلیٰ سے

فہرست مضامین

خُلاصہ تُحفۃ النُظّار شیخ ابن بطوطہ معہ تنقید و مختصر تاریخی تبصرہ

کتاب دوم

مقدمہ

ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسلمان سیّاح ہے جس نے اپنی عُمر کے چھبیس ۲۶ سال مشرق و مغرب کی سیاحت میں بسر کئے ۔ وہ مختلف علوم و فنون میں دستگاہ رکھنے کے ساتھ نگاہ بھی دوربیں رکھتا تھا اس لئے وہ جہاں کہیں گیا وہاں کے سیاسی ، سماجی ۔ علمی اور ادبی حالات کا مطالعہ بڑی دقیقہ رسی کے ساتھ کیا ۔ وہ کہیں بادشاہوں کے دربار میں اعزاز و اکرام کی کسی بڑی کُرسی پر نظر آتا ہے تو کبھی صوفیائے کرام کی مجلس وجد و حال میں شریک دیکھا جاتا ہے ۔ اس بنا پر اُس کا سفرنامہ جہاں بیحد دلچسپ اور دلآویز ہے ، نایاب و بیش قیمت معلومات کا گنجینہ بھی ہے ۔ ان میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۔ خوش قسمتی سے اس سفرنامہ کے خلاصہ کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا خیال ہمارے ملک کے مشہور فاضل جناب مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب ۔ سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ و صدر حیدر آباد اکاڈیمی کو پیدا ہوا اور آپ نے چند در چند علمی مشاغل کے باوصف اس خیال کو چند دنوں کی محنت میں ہی علمی شکل میں منتقل

کردیا۔ اردو ترجمہ کے علاوہ جناب موصوف نے تمہید میں سفرنامہ کے اسلامی عہد اور اس کے تاریخی اور سیاسی پس منظر پر جو کلام کیا ہے اس نے سفرنامہ پر تبصرہ و تنقید کے ساتھ مل کر کتاب کی افادی حیثیت کو دوچند کردیا ہے۔

ستمبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں جب دہلی میں فساد ہوا اور ندوۃ المصنفین کو شدید مالی خسارہ برداشت کرنا پڑا اس وقت اس کتاب کا مسودہ کاتب کے پاس تھا اور اس کی کتابت ہو رہی تھی کاتب صاحب دفتر برہان سے کافی دور ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جو فساد کی تباہ انگیزیوں سے محفوظ رہ گیا ہے اس بنا پر خوش نصیبی سے فاضل مترجم کی یہ محنت ضائع ہونے سے بچ گئی اور اب مقامی حالات کے بہتر ہونے پر ہم اس کی اشاعت کے قابل ہو سکے ہیں۔ امید ہے ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے

عتیق الرحمن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی

یکم جنوری ۱۹۴۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصہ تحفۃ النظار شیخ ابن بطوطہ

معہ تنقید و مختصر تاریخی تبصرہ

تمہید

موجودہ دنیائے اسلام، مسلم حکمائے قرونِ وسطیٰ کی علمی تحقیقات کی طرح مسلمان سیاحوں کے حالات سفر سے بھی بہت کم واقف ہے۔ انگریزی تعلیم کی بدولت مدرسہ کا ہر بچہ وینس (VENICE) کے پولو (POLO) خاندان (نکولو) مافیو اور مارکو) کے سفروں سے بخوبی آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ مارکو پولو اپنے باپ اور چچا کے ہمراہ ۱۲۷۱ء میں وینس سے منگولستان اور چین کو روانہ ہوا۔ صحرائے گوبی کو طے کر کے خان بالق (پیکن) پایہ تخت منگول خاقانِ چین قوبلائی خاں کے دربار میں ۱۲۷۵ء کے قریب باریاب ہوا اور مختلف انتظامی اور سیاسی خدمات بجا لا کر بالآخر ۱۲۹۲ء میں وطن واپس جانے کی اجازت حاصل

کی بندرگاہ زیتون (TSEITHUNG) سے جہاز پر سوار ہوا۔ تو اس کے ساتھ ارغون خاں ایلخان فارس کے لئے خاقان کی طرف سے ایک منگولی دلہن بھی روانہ کی گئی۔ جاوا سوماترا ہوتے ہوئے بندرگاہ ہرمز پہنچا اور پھر خشکی کے راستہ سے طرابزون (TREBIZOND) اور قسطنطنیہ گیا اور بالآخر ۱۲۹۵ء کے اختتام پر وینس واپس ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ مارکوپولو سے پہلے (اور خود اس کے زمانہ سفر چین میں) عرب سیاحوں نے اس ذخت کی دنیا کے جو طویل بری و بحری سفر کئے ہیں انکا علم طلبہ کو تو کیا اساتذہ کو بھی کم نصیب ہے۔

ابوالقاسم محمد ابن حوقل بغدادی (زمانہ ۹۴۳ء تا ۹۶۷ء) نے رمضان ۳۳۱ھ مطابق مئی ۹۴۳ء میں بشوق جہاں بینی و تجارت بغداد سے نکل کر مشرق سے مغرب تک کی تمام اسلامی دنیا کا سفر کیا وہ مشہور عرب جغرافیہ نویسوں (ابن خردادبہ، الجیہانی اور قدامہ) کی تصنیفات سے بخوبی واقف تھا۔ ۳۴۰ھ کے قریب الاصطخری سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس کے کہنے پر اس کی کتاب کی نظر ثانی کی اور المسالک والممالک کے نام سے شائع کیا۔ بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ ابن حوقل فاطمی فرماں روایان مصر کی طرف سے بلاد اسلام میں جاسوسی کو نکلا تھا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔

بیت المقدس کے المقدسی سیاح و جغرافیہ نویس نے تمام ممالک اسلام کا باستثنا (اسپین، سیستان و ہند) سفر کرنے کے بعد اپنی مشہور

کتاب احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم تالیف کی۔ تاریخ اشاعت ۹۸۵ء
یا ۹۸۶ء ہے۔

یاقوت ابن عبداللہ الحموی (۱۱۷۹ء ۱۲۲۹ء) مصنف معجم البلدان
و معجم الادبار نے مخطوطات کی تلاش میں ممالک اسلام کے دور و دراز
مقامات کا سفر کیا اور ۱۲۱۹ء۔ ۱۲۲۰ء میں چنگیزی تاخت و تاراج سے
گھبرا کر خوارزم سے پریشان و بدحواس بھاگا۔

ابوالحسن محمد ابن احمد ابن جبیر ۱۱۴۵ء میں بمقام بلنسیہ
اسپین میں پیدا ہوا۔ شاطبہ میں تعلیم پائی ۱۱۸۴ء اور ۱۱۸۵ء کے مابین
غرناطہ سے مکہ معظمہ گیا اور حج کرکے اپنے وطن کو واپس ہوا۔ راستہ میں
مصر، العراق، شام اور صقلیہ وغیرہ بھی دیکھا۔ اس کے زمانہ میں شام کے
کچھ حصے ہنوز صلیبیوں کے قبضہ میں تھے۔ اس نے ۱۱۸۹ء ۱۱۹۱ء میں
بلاد مشرق کا مکرر سفر کیا، تیسرے سفر میں ۱۲۱۷ء میں اسکندریہ پہنچ کر
مرگیا۔ (اس کے سفر کے حالات کتاب رحلہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ
درج ہیں جس کی پہلے ولیم رائٹ (WILIOM WRIGHT) نے
ادارت کی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ایم۔ جے۔ ڈی گوبجے نے ۱۹۰۷ء
میں بمقام لائیڈن شائع کیا۔

ابوحامد محمد المازنی نے غرناطہ سے ۱۱۱۴ء ۱۱۱۵ء میں کچھ دنوں
کے لئے مصر کا سفر کیا پھر ۱۱۱۶ء میں اسپین سے براہ سردانیہ SARDINIA
و صقلیہ دوبارہ مصر گیا۔ ۱۱۲۲ء سے ۱۱۲۰ء تک بغداد میں مقیم رہا۔

سنہ ۱۰۳۵ء سے سنہ ۱۱۳۶ء تک بلغاریہ میں بمقام کازان قریب دریائے والگا سکونت اختیار کی۔ سنہ ۱۱۵۰ء سے سنہ ۱۱۵۳ء تک ہنگری میں رہا۔ سنہ ۱۱۶۰ء میں پھر بغداد گیا۔ خراسان اور شام کے مختلف مقامات کی سیر کی۔ سنہ ۱۱۶۳ء میں موصل گیا اور بالآخر سنہ ۱۱۶۹ء یا سنہ ۱۱۷۰ء میں شہر دمشق میں انتقال کیا اس کی ولادت سنہ ۱۰۸۰ء یا سنہ ۱۰۸۱ء میں واقع ہوئی تھی۔

المازنی سے بھی پہلے احمد ابن فضلان ابن حماد کو خلیفہ المقتدر نے سنہ ۹۲۱ء میں بادشاہ بلغاریہ کے پاس دریائے والگا کے کنارے بطور سفیر روانہ کیا تھا۔ یاقوت نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان میں احمد بن فضلان کے تحریرات سے روس کے متعلق بہت معلومات فراہم کئے ہیں۔)

ابو العباس احمد بن محمد بن مفرج النباتی اشبیلیہ میں سنہ ۱۱۶۵ء یا سنہ ۱۱۶۶ء میں پیدا ہوا اور غالباً وہیں سنہ ۱۲۳۹ء یا سنہ ۱۲۴۰ء میں فوت ہوا۔ علم نباتات کا شیدائی تھا۔ قریب سنہ ۱۲۱۷ء میں جب حج کو نکلا تو شمالی افریقہ و مصر میں بہت سے نباتات فراہم کئے۔ ایوبی سلطان سیف الدین العادل (سلطان صلاح الدین کے بھتیجے) نے اس کو قاہرہ میں اپنے ساتھ رہنے کو کہا لیکن وہ وہاں العادل کی ضرورت کے نباتات مہیا کر کے شام اور عراق چلا گیا تاکہ وہاں ایسے پودے دریافت کرے جو اسپین میں دستیاب نہ ہوتے تھے۔ اس کے سفر کے حالات کتاب الرحلہ میں درج ہیں۔

ان تمام سیاحوں کے سفر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم ابو عبد اللہ

الطنجی شیخ ابن بطوطہ کے سفروں کے سامنے مدھم پڑ جاتے ہیں۔ ۲۵ رجب ۷۰۳ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۳۰۴ء کو مراکش میں بمقام طنجہ TANGIER پیدا ہوا۔ ۲۱ سال کی عمر میں حج بیت اللہ کے ارادہ سے اپنے والدین کو چھوڑ کر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں شمالی افریقہ کے خشکی کے راستہ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ قبل اس کے کہ ابن بطوطہ کے ۲۴ سالہ سفر مشرق اور پھر کچھ وقفہ کے بعد دو سالہ سفر مغربی افریقہ (کالوں کا ملک) کا بیان شروع کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے چودھویں صدی عیسوی کی دنیائے اسلام کا خاکہ پیش کیا جائے تاکہ سفر کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو۔

آنحضرت صلعم کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ۸ جون ۶۳۲ء کو واقع ہوئی۔ اس کے ایک سو سال کے اندر مسلمان عربوں کی حکومت میں انتہائی حکومت سے بڑھ گئی۔ مغرب و مشرق میں خلیج بسکے (BISCAY) اور بحر ظلمات سے دریائے سندھ اور چین کی سرحد تک (شمالی حصہ افریقہ کو لئے ہوئے) پھیلی ہوئی تھی اور شمال و جنوب میں بحیرہ ایرل (ARAL) سے دریائے نیل کے بالائی کناروں تک پہنچی عہد بنی امیہ کے اختتام سے پہلے عرب مغرب کی طرف اسپین اور فرانس میں بھی داخل ہوگئے تھے اور مشرق کی طرف سمرقند کے شمال مشرق میں اسفند تک پہنچ گئے تھے۔

چودھویں صدی میں اسلامی حکومت مغرب کی طرف سے ٹوٹ رہی

تھی۔ اسپین کے بنی اموی حکمراں ۷۵۶ء سے ۹۷۶ء (تاریخ وفات الحکم ثانی ابن عبدالرحمٰن ثالث) تک جاہ و جلال کے ساتھ علم و ہنر کی پرورش کرتے رہے۔ لیکن بعد کو زوال شروع ہوا اور بالآخر ۱۰۳۱ء میں ان کی حکومت ختم ہوگئی۔ طوائف الملوکی کے بعد مراکش کے خاندان المرابطین پھر الموحدین حکمراں رہے۔ بعد کو وہ بھی دُنیا سے گذر گئے پھر نصری خاندان نے ۱۲۳۲ء سے اسپین میں بحیثیت عیسائی بادشاہوں کے باجگزار کے ۱۴۹۲ء تک غرناطہ کو سنبھالے رکھا۔ بالآخر عیسائی تعصّب نے اس چراغ علم کو بھی بجھا دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں مُسلمان اسپین سے آہستہ آہستہ نکالے جارہے تھے۔ بحر وسط الارض (میڈیٹرینین) پر اگرچہ ۶۵۲ء میں ہی عربوں نے بائزنطینی بحریہ کی اسکندریہ کے پاس سرکوبی کرکے اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ اور نویں صدی میں قیروان سے اغلبیوں نے صقلیہ پر چھاپے مارنا شروع کیا تھا۔ اِس جزیرہ پر قبضہ ۸۲۷ء سے شروع ہوا۔ بندرگاہ بلرم (PALERMO) ۸۳۱ء میں فتح ہوئی جس کی اِسلامی نقطۂ نظر سے مرفہ الحالی کا ذکر سب سے پہلے ابن حوقل نے کیا۔ ۹۰۲ء میں پورے جزیرہ پر قبضہ ہوگیا۔

۹۴۸ء میں فاطموی بادشاہ المنصور نے اپنی طرف سے الکلبی۔ (تاریخ وفات ۹۶۸ء) کو صقلیہ کا گورنر مقرر کیا۔ بالآخر ہسپانی اور افریقی فرقہ بندیوں اور باہمی نزاع کے باعث صقلیہ میں مسلمانوں کی قوت گھٹ گئی۔ اور نارمن کا دیٹ دوجرا (RAAEER) انگریڈ ڈی ہوٹویل

کے بیٹے نے ۱۰۶۱ء میں ان سے مسینا چھین لیا۔ ۱۰۷۱ء میں بلرم اور ۱۰۸۵ء میں سرقوسہ (SYRACUSA) اور ۱۰۹۱ء تک سارا جزیرہ مسلمانوں کے دستِ تصرف سے نکل گیا۔ اس سے ایک سال پہلے روجر نے مالٹا بھی فتح کرلیا تھا۔ بدینوجہ میڈیٹرینین پر مسلمانوں کا تصرف بالکل برخاست ہوگیا۔ تاہم اسپین و صقلیہ کی تلافی مشرق میں ہند اور جزائر ملیشیہ (MALAYSIA) کی فتوحات سے ہوئی۔ فاطموی خاندان ۹۰۹ء میں اغلبیوں کو قیروان سے نکال کر خود مصر پر قابض ہوگیا۔ پہلا حکمراں عبداللہ المہدی تھا۔ آخری العاضد جس کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۷۱ء میں معزول کر کے فاطموی حکومت کو ختم کردیا۔

ایشیائے کوچک میں سلجوقی ترک پہلے ۱۰۷۰ء میں داخل ہوئے۔ الپ ارسلان کا سپہ سالار آتسیز نے یروشلم کو فاطمیوں کے قبضہ تصرف سے نکال لیا۔ لیکن ۱۰۹۸ء تک فاطموی بحریہ نے یروشلم کو پھر فتح کرلیا۔ فلسطین پر مسلمانوں کا تسلط کسی طرح بھی یورپ کے عیسائیوں کو اب جبکہ انکی قوت بمقابل مسلمانوں کے کسی قدر بڑھتی گئی گوارا نہ تھا۔ پوپ اربن ثانی (URBAN) کی ۲۶ نومبر ۱۰۹۵ء والی آتش افروز تقریر سے یورپ نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی لڑائیاں لڑنا شروع کیا ۱۱۴۴ء تک مسلمان ہارتے رہے۔ اسی سال الموصل کے اتابک عماد الدین زنگی نے صلیبیوں سے الرہا چھین لیا۔ اسی طرح ایوبی سلطان صلاح الدین (تاریخ ولادت ۱۱۳۸ء بمقام تکریت و وفات ۱۹ فروری ۱۱۹۳ء) اور پھر اسکے مملوک سلاطین مصر رکن الدین

ببرس اوّل (دور حکومت ۱۲۶۰ء – ۱۲۷۷ء) سیف الدین قلاوون (۱۲۷۹ء – ۱۲۹۰ء) اور بعد کو آخر الذکر کے بیٹے اشرف و ناصر نے صلیبیوں کو بتدریج شام و فلسطین سے باہر نکال دیا۔ ۱۳۰۲ء کے بعد کسی بری مقام پر ان کا قبضہ باقی نہ رہا۔ الناصر محمد بن قلاوون نے تین بار سلطنت کی (۱۲۹۳ء سے ۱۲۹۴ء تک پھر ۱۲۹۸ء سے ۱۳۰۸ء تک اور بالآخر ۱۳۰۹ء سے ۱۳۴۰ء تک پہلی مرتبہ جب تخت پر بیٹھا تو اسکی عمر صرف نو سال کی تھی ابن بطوطہ کے سفروں میں کئی جگہ الملک الناصر محمد کا ذکر آیا ہے۔ جسوقت ابن بطوطہ ایشیائے کوچک میں سفر کر رہا تھا اسوقت عثمانی ترک وہاں اپنا سکہ جما کر یورپ پر چڑھائی کرنے کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے عثمان کے بیٹے سلطان اورخاں کے ۱۳۲۹ء میں برنیق (NICAEA) فتح کرنے اور اس کو وہاں دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

اس اثنا میں بنی عباس کی حکومت بغداد میں صرف برائے نام رہ گئی۔ خلیفہ دیلمیوں کے پنجہ سے نکل کر کچھ دنوں سلجوقیوں کے سایہ عاطفت میں امن کی زندگی بسر کر سکا۔ جب [illegible] آدمیوں نے تکش کی سرکردگی میں عراق عجم کے سلجوقیوں کو ۱۱۹۴ء میں شکست دی تو اس کے بیٹے سلطان علاء الدین محمد نے (۱۲۰۰ء – ۱۲۲۰ء) ایران، بخارا، سمرقند اور پھر غزنی کو فتح کر کے (۱۲۱۶ء) خلافت بغداد کا خاتمہ ہی کرنا چاہا تھا کہ اس پر چنگیز خاں تاتاری لشکر کے ساتھ مثل بلائے آسمانی نازل ہوا۔ اس کے راستہ میں مشرقی بلاد اسلام ہرات، بخارا اور سمرقند سب نذر آتش ہو گئے۔ علاء الدین کو بھاگ کر بحیرہ

کیسپین کے ایک جزیرہ میں پناہ لینی پڑی - اس طرح چند سال کے لئے بغداد کی خلافت بچ گئی - لیکن ۱۲۵۸ء میں چنگیز کے پوتے ہلاکو نے بالآخر بغداد کو بھی تباہ و تاراج کر دیا - ابن بطوطہ ان تمام ویران شہروں سے گذرا اور اُس نے ان کی بربادی کا تذکرہ کیا ہے - تاتاری صلیبیوں کے ساتھ ملکر شام اور مصر کو بھی کھنڈر بنا دیتے - خوش قسمتی سے صلاح الدین کے مملوک جانشینوں نے ان کی مدافعت کی اس لئے ان ممالک میں اسلامی تہذیب و تمدن آئے دست بُرد سے بچ گئے چند سال بعد ۱۲۹۵ء میں ایلخان فارس غازان محمود عیسائیوں کے پھندے سے نکل کر مسلمان ہو گیا - اس کے جانشینوں (الجائتو خدا بندہ) ۱۳۰۵ء - ۱۶ء اور ابو سعید ۱۳۱۷ء - ۱۳۳۵ء کے زمانہ میں عراق و ایران دوبارہ خوشحال ہونے لگے - لیکن یہ کیفیت صرف چند ہی سال رہی -

ابن بطوطہ جب ۱۳۲۵ء میں رخت سفر باندھکر گھر سے نکلا ہے تو ممالک اسلام امن کی حالت میں عود کر گئے تھے - سیر و سیاحت آسان ہو گئی تھی - خوش نصیب نوجوان سلطان مصر کی حکومت اسوان سے کلیشیہ کی سرحد تک نافذ تھی - صلیبی دفع ہو گئے تھے - الملک الناصر محمد نے ۱۳۰۳ء میں بمقام دمشق تاتاریوں پر نمایاں فتح حاصل کرکے ان کا زور توڑ دیا - شمال اور شمال مشرق میں سنہری اردو کے خانوں اور چغتائی منگول سرداروں کے مابین تعلقات دوستانہ تھے - مملوک سلاطین کی حکومت فوجی سرداروں کی خون آلود حکومت تھی - تاہم ملک کی اندرونی حالت

نسبتاً بہت اچھی تھی رعایا خوش حال تھی۔ ہندوستان کی ساری تجارت مصریوں کے ہاتھ آجانے سے ملک بہت متمول ہو گیا تھا۔ شہر بڑی شاندار عمارتوں، مساجد، مدارس اور بیمارستان وغیرہ سے آراستہ تھے۔ شام و حجاز کے علاوہ مصر کی حکومت نوبیہ (NUBIA.) اناطولیہ اور کچھ دنوں کے لئے مغرب میں ٹریپولی (طرابلس) تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہندوستان میں قطب الدین ایبک نے دہلی پر ۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۱ء تک حکومت کی۔ اسکے جانشین سلجوقیوں اور مملوک سلاطین کی طرح اپنے مقبوضات کے سابقہ اسلامی تمدنوں کے اختلاف اور طوائف الملوکی کے طبعی ذوق نے بعد کو آنے والے حکمراں خاندانوں کو باہم گرجنگ و جدل ہی میں مصروف رکھا اگرچہ چند روشن خیال بادشاہوں نے اسلامی روایات اور رواداری کو سنبھال لیا۔ اور اپنی بساط کے موافق کچھ نمایاں کام کر گئے جیسے سلطان التمش ۱۲۱۱ء۔ ۱۲۳۶ء جس نے دہلی میں قطب الدین کی نامکمل عمارتوں کی تکمیل کی اور علاء الدین خلجی ۱۲۹۶ء۔ ۱۳۱۵ء جس نے مغل غارت گروں کے دست برد سے ملک کو کئی مرتبہ بچایا اور دہلی کو بعض نئی شاندار عمارتوں سے آراستہ کیا چودھویں صدی میں دہلی کے تخت پر غیاث الدین تغلق ۱۳۲۱ء میں فائز ہوا اور بنگالہ اور دکن کو بھی اپنا مطیع بنایا۔ اسکے بیٹے جونا، سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۵ء میں اپنے باپ کو قتل کر دایا اور خود تخت نشین ہوا۔ اگرچہ اس کی حکومت عموماً جابرانہ تھی جس کی وجہ سے آئے دن ملک میں فساد برپا رہتا تھا۔ تاہم ممالک غیر کے سیاح اور سوداگر

سب کے ساتھ اس کا سلوک فیاضانہ تھا۔ اس لئے باوجود گھریلو صنعتوں کی تباہی کے ملک میں تجارت ترقی پر تھی۔ ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے طرز حکومت سے بخوبی واقف تھا اور اپنے سفر کے بیان میں اس کی سیرۃ اور طریقہ حکمرانی کی صحیح تنقید کرتا ہے۔ اس بادشاہ کے مرنے سے پہلے ہی بنگالہ، دکن اور ملیبار دہلی کی مرکزی حکومت سے منقطع ہو گئے اگرچہ اس کے جانشین اور عمزاد بھائی فیروز شاہ (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) نے بڑی فراست اور روشن خیالی کے ساتھ حکومت کی لیکن سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔

منگول ایلخانان فارس کے ۱۳۳۶ء میں ختم ہونے پر عراق اور ایران کی حالت جو ذرا سنبھلی تھی پھر خراب ہو گئی۔ آئے دن لڑائی جھگڑے ہونے سے رعایا کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے ملک ویران ہو چلے۔ اسی طرح کی تباہی بلاد مغرب میں بھی پیدا ہو گئی شمالی مغربی افریقہ جو بارھویں صدی عیسوی میں اسپین کے ساتھ المرابطین اور الموحدین کے زیر سرپرستی ایک رشتہ میں مربوط تھا۔ تیرھویں صدی میں تین خاندانوں میں تقسیم ہو گیا۔ انتہائی مغرب یعنی مراکش میں مرینی خاندان حکمراں تھا، وسطی مغرب میں زیانی خاندان تلمسان کو پایہ تخت بنائے ہوئے تھا۔ تونس پہ حفصی خاندان مسلط تھا۔ ان کو نہ صرف خانہ بدوش صحرائی عربوں اور بربروں سے برسر پیکار رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ ان کی قوم کے دیرینہ روایات کے بموجب حکمراں خاندان کا ہر فرد بشر رشتہ دار تھا

کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ صرف ریاست میں حصہ دار بلکہ حقیقی مستحق فرمانروائی سمجھتا تھا۔ جس کی وجہ سے کشت وخون اور فتنہ وفساد کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ حفصی خاندان نے اگرچہ ۱۲۷۰ء میں لوئی نہم بادشاہ فرانس کے آخری صلیبی حملہ کو بری طرح پسپا کیا۔ (جس میں لوئی بھی مر گیا)، مگر بیس ہی برس کے بعد جربا کو صقلیہ کے عیسائیوں کے حوالہ کرنا پڑا جسکی واپسی ایک عرصہ کے بعد ۱۳۳۳ء میں انیپلز اور جے نورا کی مدد سے ہو سکی۔

مرینی خاندان مراکش سلطان ابوالحسن (۱۳۳۱ء تا ۱۳۴۸ء) اور اسکے بیٹے ابوعنان (۱۳۴۸ء تا ۱۳۵۸ء) کے زمانہ میں اپنے عروج کے انتہائی زینہ پر پہنچا۔ ابن بطوطہ ان دونوں سلطانوں کی رعایا سے تھا۔ ان کا بڑی عقیدتمندی سے ذکر کرتا ہے۔ ابوالحسن نے شمال مغربی افریقہ میں سجلماسہ اور تلمسان فتح کیا اور باوجود عیسائی بادشاہ قسطیلیہ اذفونس (الفونسو یازدہم) سے قریب طریفہ اسپین میں (۱۳۴۰ء میں) بُری طرح شکست پانیکے جبل الطارق کو عیسائیوں سے بچا لیا۔ اور ۱۳۴۷ء میں تونس کو بھی فتح کر لیا۔ لیکن صرف ایک ہی سال تک اس پر قابض رہا۔ اس کے بعد افسوس ہے کہ خود اس کے بیٹے ابوعنان نے بغاوت کرکے اس کو تخت سے معزول کر دیا۔ اس زمانہ میں وبا شدت سے پھیلی ہوئی تھی چنانچہ ۱۳۵۰ء میں الفونسو یازدہم بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ ابوعنان نے تلمسان کو مکرر فتح کیا اور ۱۳۵۷ء میں تونس میں دوبارہ داخل ہوا۔ لیکن فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ جب اپنے پایہ تخت فاس (FEZ) کو واپس ہوا تو اسکا

گلا گھونٹ کر مار دیا۔ اس کے بعد طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ بر ایں ہمہ مراکش کے شہر اور وہاں کی رعایا نسبتاً مرفہ الحال ہی رہی۔

ابن بطوطہ کے حالات سفر میں ان واقعات کا اپنی جگہوں پر حسب ضرورت ذکر آتا ہے۔ چونکہ اس نے بحیرۂ وسط الارض (میڈیٹرینین) کے سفر (اسلامی بحری قوت کے زوال کے بعد) عیسائی جہازوں میں کئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ باوجود شدید مذہبی اختلافات کے مسلمانوں کی رواداری اور خوش معاملگی کی وجہ سے مُسلم اور عیسائی عوام الناس کے آپس کے مراسم خوشگوار تھے۔ ایک اور بات ان سفروں سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے وہ مسلمان تاجروں، سیاحوں اور سب سے بڑھ کر صوفیوں اور مذہبی پیشواؤں کی اولوالعزمی ہے جو ان کو ساری دنیا پر پھیلا رہی تھی ان کی مہمان نوازی اور اخوت اسلامی (زکوۃ کے صحیح مصرف سے) اسلامی ممالک کے باہر بھی مسلمانوں کے آرام و آسائش مہیا کرتی تھی۔ ہر شہر میں خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت میں ہو یا اس سے باہر ایک قاضی اور شیخ الاسلام منتخب ہوتا تھا جو مسلمانوں کی تنظیم و فرائض مذہبی کی انجام دہی میں ذمہ داری کے ساتھ ممد و معاون ہوا کرتا تھا۔ تجارت اور سیاحت کا یہ عالم تھا کہ سبتہ کا ایک نوجوان قوام الدین البشری نے دہلی میں شاہی مہمان کی حیثیت سے رہنا پسند نہیں کیا۔ چین میں قنجنفو (QANJANFU) پہنچکر تجارت سے بے شمار مال و دولت حاصل کرتا ہے۔ اور ابن بطوطہ کی دعوت کر کے کہتا ہے کہ میرا ایک بھائی سجلماسہ (SIJILMASA)

میں مراکش کے جنوبی علاقہ میں مقیم ہے۔ وطن واپس جاؤ تو اس کو میرا سلام پہنچاؤ۔ کہاں چین کہاں مراکش اور پھر ذریعہ سفر بادبانی چھوٹے جہاز۔
ابن بطوطہ بھی ۱۳۵۲ء میں سجلماسہ پہنچکر ابو محمد البشری سے ملتا ہے، اس کو بڑا عالم پاتا ہے۔ اس کے پاس کچھ دنوں مہمان رہتا ہے اور اسکے بھائی کا پیغام پہنچاتا ہے۔

دنیائے اسلام خصوصاً شام و مصر و شمالی افریقہ پر یورپ کی طرح ۱۳۴۸ء میں طاعون (سیاہ موت) BLACK DEATH کا بڑا ہی مہلک حملہ ہوا لاکھوں آدمی محض چند روزہ علالت میں مر گئے (یہاں یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نصری سلطان غرناطہ کے وزیر حکیم لسان الدین ابن الخطیب (۱۳۱۳ء تا ۱۳۷۴ء) نے اس مرض کے متعدی ہونے کے ثبوت اور اس کے علاج میں جو کتاب مقنعات السائل عن المرض الہائل لکھی ہے۔ اس کو ایم۔ جے ملر نے ترجمہ کے ساتھ میونخ (MUNICH) میں ۱۸۶۳ء میں ایڈٹ کیا۔ اس زمانے کے عیسائی حکمار اس مرض کو بلائے آسمانی سمجھ کر اس کا علاج ہی نہیں کرتے تھے۔) یہ مرض دوبارہ ۱۳۸۱ء میں رونما ہوا اور مزید لاکھوں جانیں تلف ہوئیں۔ پہلے مرض میں ابن بطوطہ کی ماں اور ابن خلدون کے باپ مر گئے۔ مرض کا دوسرا حملہ پوری طرح ختم نہ ہوا کہ تیمور لنگ نے عذاب الٰہی کی طرح عراق و شام اور ایشیائے کوچک کی اسلامی ریاستوں کو لوٹنا اور جلانا شروع کیا چنانچہ بغداد پر اس کی طرف سے پھر ۱۳۹۳ء

میں مصیبت آئی۔ اور دمشق پر سنہ ۱۴۰۱ء میں۔ غرض دہلی سے دمشق و سمرنا تک یہی حال رہا

نوٹ :- ابن بطوطہ نے جب فاس پہنچ کر ابو عنان کو اپنے حالات سفر سنائے تو اس نے اپنے محرر محمد بن جزی کو ان کو قلمبند کرنے پر متعین کیا۔ "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار" اسی کا نتیجہ ہے۔ دنیا کا مشہور مورخ ابن خلدون اس زمانہ میں موجود تھا۔ اپنی تصنیف میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ کتاب کا پہلا ترجمہ مع ادارت سی ڈیفریمری اور بی آر سینگونشی نے کیا۔ اس کی تیسری اشاعت پیرس میں ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ اردو میں بھی کئی ترجمے ہوئے ہیں۔ انگریزی میں ایک خلاصہ ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (H.A.R. GIBB) نے کیا۔ جس کو جارج روٹلیج کمپنی نے شائع کیا۔ راقم الحروف نے اسکے تنقیدی اشاروں سے استفادہ کیا ہے۔

بعض سائنس سے متعلق واقعات کی تنقید و توضیح کا ذمہ دار بالکلیہ راقم الحروف ہی ہے۔ کتاب کے ساتھ جو نقشے شامل ہیں گب کی کتاب سے نقل کئے گئے ہیں۔ انکو راقم کی بہو (زوجہ محمد عبدالمجید خاں) شاہ جہاں بیگم ایم۔ اے۔ (علیگڑھ) نے تیار کیا ہے۔

باب (۱)

محمد بن جزئی نے سلطان ابو عنان فارس (سلطان المغرب) کے حکم سے عربی زبان میں ابن بطوطہ کے سفر قلم بند کئے۔ حمد و نعت کے بعد ابن بطوطہ کے ابتدائی حالات قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ طنجہ کا رہنے والا تھا، اس کا اصلی نام مغرب میں ابو عبداللہ محمد تھا، بلاد شرق میں شمس الدین لقب پایا۔

ابو عبداللہ محمد ۲ رجب ۷۲۵ھ مطابق ۱۴ جون ۱۳۲۵ء کو بائیس ہجری سال کی عمر میں حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کے ارادہ سے اپنے مقام پیدائش طنجہ سے نکلا، دوست احباب کو چھوڑا، ماں باپ ابھی زندہ تھے، ان کی جدائی شاق گذری مگر سفر کے شوق نے اس جدائی کو بھی برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ جب تلمسان پہنچا تو اُس وقت ابو تاشفین اول وہاں حکمراں تھا۔ (۱۳۱۸ء تا ۱۳۳۸ء) وہ زیانی خاندان تلمسان سے تھا۔ اسکی حکومت الجزائر تک پہنچ گئی تھی۔ اِسی سال کے قریب ابو تاشفین نے سلطان تونس سے لڑائی شروع کردی۔ جس دن ابن بطوطہ تلمسان پہونچا۔ سلطان تونس کے دو سفیر جو وہاں آئے ہوئے تھے شہر سے واپس ہو رہے تھے۔ ابن بطوطہ جلدی سے ضروری سامان فراہم کرکے اُن کے پیچھے ہولیا اور اُن سے شہر ملیانہ میں جا ملا۔ یہاں علالت کی وجہ سے سفیر اس دن ٹھیر گئے جب آگے بڑھے تو ایک سفیر راستہ میں فوت ہوگیا

اور کچھ دنوں کے لئے سفرا کے وفد کو رک جانا پڑا۔ ابن بطوطہ اکیلا الجزائر جاکر اُن کا انتظار کرتا رہا۔ اُن کے ساتھ متیجا کے شاداب میدان سے ہوتے ہوئے کوہ جرجورا پر سے شہر بجایا پہنچا۔ اس وقت وہاں کا حاکم۔ ابنِ سیّدالنّاس تھا۔ افسوس ہے کہ اس شخص نے مسافروں میں سے ایک تاجر کی میراث پر جو راستہ میں مر گیا تھا اور تین ہزار دینار طلائی تونس میں اپنے ورثار کے لئے چھوڑا تھا قبضہ کر لیا۔ ابن بطوطہ خود بھی بیمار ہو گیا، لیکن سفر جاری رکھا۔ راستہ میں عرب لٹیروں کا خوف تھا لیکن کارواں قسطنطین پہنچ گیا۔ ایک دوست نے اسکو اپنا بھاری سامان بیچ کر خود اپنے سامان سے استفادہ کرنے کی دعوت دی چنانچہ ابن بطوطہ نے ایسا ہی کیا اور اس نیک بندہ کے لئے دعائے خیر کی۔ دوسرے دن شہر کے حاکم نے وفد سے ملاقات کی اور ابن بطوطہ کے پھٹے پرانے کپڑے بدلوا کر اچھی پوشاک عطا کی۔ یہاں سے زائرین بونا پہنچے۔ اور چند دن قیام کر کے تجار کی رفاقت چھوڑ کر آگے کو بڑھے ابن بطوطہ پھر بیمار ہو گیا۔ لیکن اِسی حالت میں تونس پہنچا۔ شہر کے باشندے اپنی جان پہچان کے لوگوں سے ملنے آئے۔ اس کا کوئی یار و غمگسار نہ تھا یہ اپنی تنہائی پر رونے لگا۔ اس پر ایک مسافر نے اس کے ساتھ ہمدردی کی اور محبت سے پیش آیا۔

تونس کا سلطان اس وقت ابو یحیٰی بن ابوزکریا دوم تھا۔ شہر میں چند اچھے عالم تھے نماز عیدالفطر سلطان نے اپنے اہل و عیال اور درباریوں کے ساتھ شہر کے باہر عیدگاہ میں پڑھی۔ ابن بطوطہ بھی اچھے

ساتھ نماز میں شریک تھا۔

کچھ دنوں بعد عازمین حجاز کا کارواں تیار ہوا۔ ابن بطوطہ اس کا قاضی منتخب ہوا۔ شروع نومبر میں تونس سے نکل کر ساحل کے بازو سے سوسہ، سفکس ہوتے ہوئے (مگر قیرزان کو چھوڑ کر اس لئے کہ ان دنوں وہاں امن نہ تھا)، قابس پہنچے۔ یہاں مسلسل بارش کی وجہ سے دس دن قیام رہا۔ پھر ٹرپیولی کی طرف چلے۔ ساتھ ایک سو سے زیادہ گھوڑے سوار تیر انداز حفاظت کے لئے تھے۔ اس لئے لٹیرے عرب حملہ نہ کر سکے۔ سفکس میں ابن بطوطہ نے تونس کے ایک عہدہ دار کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ٹرپیولی میں دلھن اس کے حوالہ کی گئی لیکن وہاں سے چلتے وقت لڑکی کے باپ سے بگاڑ ہو گیا اور نکاح منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن بطوطہ نے فاس کے ایک عالم کی لڑکی سے شادی کر لی اور اس کی تہنیت میں کارواں کو ایک روز ٹھیرا کر سب کی دعوت کی۔

بالآخر ۵ راپریل ۱۳۲۶ء کو اسکندریہ پہنچے۔ شہر بہت خوبصورت مضبوط اور قلعوں سے آراستہ و محفوظ پایا۔ اس کے چار دروازے تھے۔ بندرگاہ نہایت شاندار تھی۔ اپنے سفروں میں کسی اور بندرگاہ کو باستثنار کولم (QUILON) اور کالیکٹ (ہند میں) جنووا والوں کی بندرگاہ سوداق (ترکوں کی سرزمین میں) اور زیتون (چین میں) اس کے مقابلہ کا نہیں پایا۔ اس کے روشنی گھر (لائٹ ہاؤس) کا ایک بازو گر گیا تھا۔ وہ ایک چوکور عمارت تھی جس کا دروازہ زمین کی سطح سے بلند تھا۔

اس مشہور عمارت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ بلادِ مشرق کی سفر سے مغرب کی طرف واپس لوٹا تو ۷۵۰ھ (م ۱۳۴۹ء) میں یہ لائٹ ہاؤس اس قدر شکستہ حال ہوگیا تھا کہ اس کے دروازے تک رسائی ممکن نہ تھی الملک الناصر سلطان مصر نے اسکے بازو پر ایک ایسی ہی عمارت کی بنیاد ڈالی تھی لیکن اس کے اختتام سے پہلے مرگیا القلقشندی نے اس مقام کا بعد کو سفر کیا کہتا ہے اسکندریہ کے فیروس (PHARUS) کو جو دنیا کے سات عجائبات میں تھا اور جس کو یونانیوں نے آٹھویں صدی کے شروع میں تھوڑا سا منہدم کردیا تھا۔ بعد کو ویران ہوگیا۔ فیروس سفید مرمر کا لائٹ ہاؤس تھا۔ بطلیموس اوّل و دوم نے قریب ۲۶۰ سنہ قبل مسیح اس کو بنوایا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسکندریہ کی ایک گلی کا نام ابن بطوطہ سے منسوب ہے۔ مشرق کے کسی اور شہر نے ابن بطوطہ کی اس طرح عزت نہیں کی۔

پھر وہ پومپئی (POMPEY) کے مینار کا ذکر کرتا ہے جو اسوان (ASSVAN) کے سنگِ خارا کا ایک مینار سیراپس (SERAPIS) کے ایک قدیم مندر کی جگہ پر قائم تھا۔

اسکندریہ کا قاضی بڑا عالم تھا۔ فصاحت میں یکتا۔ اس کے سر کا عمامہ اتنا بڑا تھا۔ کہ ابن بطوطہ نے ایسا کہیں اور نہیں دیکھا۔ وہ ایک اور عالم تارک الدنیا برہان الدین کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا وہ تین دن مہمان رہا۔ اس عالم نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی کہ وہ دنیا کے

دور دراز ملکوں کا سفر کریگا حالانکہ اسوقت ابن بطوطہ کو ہندوستان اور چین جانے کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ شیخ نے اس کو کہا کہ میرے دینی بھائی فریدالدین سے ہندوستان میں ملو اور رکن الدین سے سندھ میں اور برہان الدین سے چین میں اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ۔

اسکندریہ میں اُس نے شیخ المرشدی کی شہرت سنی جو اپنی کرامت سے لوگوں کو من مانے تحفے عطا کرتے تھے۔ ان کا حجرہ شہر سے باہر ایک گوشہ تنہائی میں تھا جہاں امیر و غریب شاہ و گدا سب جاتے اور من مانے تحفے اور کھانے حاصل کرتے تھے۔ سلطان مصر بھی کئی بار اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ابن بطوطہ اسکندریہ سے نکل کر دُمن ہوتا ہوا فوا (۴۷۸) پہنچا جہاں ایک نہر کے کنارے شیخ صاحب کا حجرہ تھا اسوقت شیخ کی خدمت میں سلطان کا ایک افسر فوج حاضر تھا۔ ابن بطوطہ نے جب سلام کیا تو شیخ اٹھ کر اُس سے بغلگیر ہوئے۔ اور کھانا منگوا کر کھلایا۔ نماز کے وقت اسی کو امام بنایا۔ گرما کا موسم تھا۔ رات میں اس کو حجرہ کے اوپر جاکر سونے کو کہا وہاں ایک بوریا، چمڑے کا فرش، وضو کے لئے پانی برتن اور پینے کے لئے پانی کی صراحی اور پیالہ موجود تھے۔

ابن بطوطہ اس بستر پر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا پرند اُس کو اپنے بازوؤں پر لئے ہوئے مکہ معظمہ کی طرف اُڑ رہا ہے وہاں سے اس کو یمن لے گیا۔ پھر مشرق کی طرف لے اڑا۔ بالاخر ایک تاریک اور سبز زمین پر اس کو اتار دیا۔ جب ابن بطوطہ نے شیخ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو فرمایا

کر تم مکہ جاؤ گے پھر مدینہ اسکے بعد یمن۔ عراق اور ترکوں کے ملک سے ہوتے ہوئے ہندوستان۔ وہاں تم ایک بڑی مدت تک رہو گے۔ اور میرے ایک دینی بھائی دلشاد ہندوستانی سے ملو گے جو تم کو ایک مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ یہ کہہ کر اسے کچھ روٹی اور پیسے دے کر رخصت کیا۔
ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی دمیاط (DAMIETTA) اور کئی دوسرے شہروں میں سے گزرے جہاں کے سر برآوردہ مذہبی علماء سے انکی ملاقات ہوئی۔ دمیاط دریائے نیل کے کنارے واقع ہے، لوگوں کے مکانات دریا سے لگے ہوئے تھے اور وہ ڈول ڈالکر دریا سے پانی کھینچتے تھے، اکثر مکانوں سے ندی میں اُترنے کے لئے سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں بکروں کے گلّے رات دِن کھلے چرتے پھرتے تھے، کوئی شخص شہر میں داخل ہو کر گورنر کے اجازت نامہ بغیر باہر نہیں جا سکتا تھا، متمول اشخاص کو اجازت نامہ کا ایک مہر کیا ہوا کاغذ دیا جاتا تھا عوام کے ہاتھ پر مہر کیجاتی تھی۔ دمیاط کے دریائی پرندوں کا گوشت بہت چربی دار تھا وہاں کی بھینسوں کا دودھ مزے اور شیرینی میں لاجواب تھا، وہ کہتا ہے بوری نام کی مچھلی وہاں سے شام، اناطولیہ، اور قاہرہ بھیجی جاتی تھی۔ موجودہ شہر کی حال ہی میں تعمیر ہوئی تھی۔ پُرانا شہر فرنگیوں نے الملک الصالح نجم الدین کے زمانہ میں برباد کر دیا تھا۔ (یہاں ابن بطوطہ کا بیان غیر صحیح ہے شہر کو خود مصری حکومت نے لوئی نہم بادشاہِ فرانس کی ناکام صلیبی جنگ کے بعد منہدم کر دیا ۱۲۴۹ء

۱۳۵۰ء) تاکہ فرنگیوں کا اس پر مکرر قبضہ نہ ہو سکے) پھر وہ فارس کو گیا جو دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے۔ دمیاط کے گورنر نے یہاں ایک سوار کے ذریعے اس کے لئے کچھ روپیہ بطور عطیہ روانہ کیا، جس کا وہ شکریہ ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد نیل کی ایک نہر پر ایک بڑے اور پرانے شہر اشموں کو گیا، وہاں سے سمنود ہوتا ہوا متعدد دیگر شہروں سے گزرتا اور تکلیف برداشت کرتا قاہرہ پہنچا، دریائے نیل کے دونوں بازو اسکندریہ سے لے کر قاہرہ تک اور قاہرہ سے بالائی مصر میں اسوان تک بازاروں کا سلسلہ قائم تھا، وہ شہر قاہرہ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ باوجود وسعت اسکی آبادی اتنی بڑی ہے کہ شہر میں سما نہیں سکتی۔ اس میں بارہ ہزار سقہ تھے جو اونٹوں پر پانی بھر کر لے جاتے تھے ۳۰ ہزار خچر اور گدھے کے کرایہ والے ندی پر سلطان اور اسکی رعایا کی ۳۶ ہزار کشتیاں تھیں۔ جو بالائے مصر سے دمیاط اور اسکندریہ کے درمیان ہمہ قسم کے سامان سے لدی ہوئی آتی جاتی تھیں۔ قدیم شہر قاہرہ کے مقابل دریائے نیل کے کنارے الروضہ واقع تھا، (جو ایک جزیرہ بن گیا ہے) جس میں رعایا کی تفریح کے لئے خوبصورت باغ بنے تھے۔ سلطان کا ہاتھ ٹوٹنے کے بعد صحت یابی کی خوشی میں جو دعوتیں دی جا رہی تھیں ان میں ابن بطوطہ بھی شریک ہوا۔ عمرو بن العاص کی جامع مسجد کی شہرت و عظمت کا ذکر کرتا ہے۔ قاہرہ کے مدرسوں کی تعداد زائد از شمار بتاتا ہے۔ سلطان قلاوون (الملک الناصر کے باپ) کے بیمارستان واقع بین القصرین

کی تعریف امکان سے باہر بتاتا ہے۔ اس میں بے شمار دوائیاں اور علاج کے سامان مہیا تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کا روزانہ خرچ ایکہزار دینار تھا۔

وہ قاہرہ کے خانقاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کی تعمیر اور نگہداشت میں امراء ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ایک خانقاہ درویشوں کے ایک خاص فرقہ کے لئے وقف تھی، اکثر درویش ایرانی اور تعلیم یافتہ تھے۔ ہر ایک خانقاہ کا ایک شیخ اور ایک دربان تھا، کھانے رہنے بسنے اور صفائی کا معقول انتظام تھا۔ دن میں دوبار کھانا کھلایا جاتا تھا۔ صبح اُن سے پوچھ لیا جاتا تھا کہ کیا کھائیں گے۔ ہر ایک درویش کے لئے علیحدہ برتن تھے۔ سرما وگرما کے لباس ان کو تقسیم کئے جاتے تھے۔ اور ماہانہ بیس سے لیکر تیس تک درہم بھی، ہر پنجشنبہ کی شب کو انھیں میٹھی روٹی کپڑے دھونے کا صابن خود ان کے حمام کے اخراجات اور چراغ کا تیل بھی مہیا کر دیا جاتا۔ اکثر ان میں مجرد ہوتے تھے شادی شدہ درویشوں کی خانقاہیں علیحدہ ہوتی تھیں۔

قاہرہ میں قرافہ کا قبرستان بہت ہی متبرک مانا جاتا تھا بلشمار علماء اور صلحاء کے یہاں مزار تھے۔ جن پر پختہ عمارتیں بنائی گئی تھیں تلاوتِ قران کے لئے قاری مقرر تھے۔ پندرھویں شعبان کو لوگ یہاں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ فاتحہ خوانی اور شب باشی کی غرض سے آتے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کا بازار خوب بھرتا تھا۔ ایک مشہور زیارتگاہ

میں حضرت امام حسین رضؓ کا سر مبارک دفن ہے۔ کربلا میں ۶۸۱ء میں شہید ہونے
کے بعد سر مبارک دمشق لایا گیا تھا۔ بعد میں قاہرہ میں دفن کیا گیا۔ سیدنا
حضرت حسین رضؓ کی مسجد بھی شہر کے مشرقی کنارے بڑی شاندار عمارت ہے
اس کے بازو پر ایک بڑی خانقاہ ہے جس کے دروازہ پر چاندی کے
حلقے اور پتیاں جڑے ہوئے ہیں۔ پھر وہ دریائے نیل کے پانی کی شیرینی
کا ذکر کرتا ہے اور اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے کہتا ہے کہ نیل
ہی ایک ایسا دریا ہے جو جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے اس کے
مقابلہ میں فرات، دجلہ، سیحون، جیحون، ہندوستان کے دریائے سندھ
گنگا، جمنا، اور شاید برہما پترا کی طرف اشارہ کرتا ہے، خفچاق کے
دریائے داتگا جس کے کنارے پر سرا کا شہر آباد ہے، ملک خطا کے
دریاؤں اور دریائے سرو (HOANG - HO) کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قاہرہ
سے بڑھ کر سمندر پہنچنے سے قبل دریائے نیل تین شاخوں میں تقسیم
ہو جاتا ہے، سرما ہو کہ گرما کسی موسم میں بھی اس کا پانی سوکھنے نہیں پاتا
کشتیوں ہی کے ذریعے ان کو عبور کیا جا سکتا ہے۔ جب دریا کو طغیانی
ہوتی ہے تو لوگ اس پانی اور اس کے ساتھ لائی ہوئی زرخیز مٹی کو اپنے
کھیتوں میں پھیلا دیتے ہیں۔

قاہرہ سے وہ بالائی مصر کی طرف حجاز جانے کے لئے روانہ ہوا پہلی
شب دیر الطین کی خانقاہ میں ٹھیرا جس میں آنحضرت صلعم کے بعض آثار
مبارک محفوظ ہیں۔ مثلاً ان کا لکڑی کا ٹوٹا ہوا کونڈا، جوتے سینے کی

سوئی، سرمہ کی سلائی، اور حضرت علی کا خود اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید کہا جاتا ہے کہ بانی خانقاہ نے ان کو تین لاکھ درہم دے کر خریدا تھا، خانقاہ میں رہنے ٹھیرنے والوں کی سربراہی کے لئے روپیہ وقف کر دیا گیا تھا۔ یہاں سے وہ متعدد شہروں اور قصبوں میں سے ہوتا ہوا منیلہ ابن حضیب گیا جو دریائے نیل کے کنارے بالائی مصر میں سب سے بڑا شہر تھا۔ پھر منفلوت، اسیوت، اور اخمیم ہوتا ہوا اور اخمیم کے قدیم مصری مندروں کو دیکھتا ہوا جو بربا کہلاتے تھے اور جن کے تراشے، کندے اور کتبے اس وقت کوئی سمجھ اور پڑھ نہ سکتا تھا، پھر مستقر گورنر بالائی مصر یعنی قوص پہنچا۔ اس کے بعد الاقصار (LUXAR) کے خوبصورت چھوٹے شہر میں جہاں تارک الدنیا ابو الحجاج کا مزار ہے (جن کا ۱۲۴۴ء میں انتقال ہوا اور ایمن (AMMON) کے احاطہ کے اندر دفن ہیں) اسنا (ESNA) گیا اور ایک دن اور ایک رات کے صحرائی سفر کے بعد ایڈفو (EDFU) پہنچا۔ تعجب ہے کہ وہ الاقصار کے عالیشان مندروں کا ذکر نہیں کرتا ہے حالانکہ ان کی اہمیت اور جاذب نظری ہر مسافر و سیاح کو متحیر کرتی ہے۔ یہاں اس نے دریائے نیل کو عبور کیا اور اونٹ کرایہ کر کے عربوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک لق و دق مگر چوروں سے محفوظ بیابان میں سے گذرا۔ اثنائے سفر میں ہمیثرا (HUMAYTHIRA) میں ٹھیرنا پڑا جہاں راتوں کو ترٹس بڑی تعداد میں گھومتے تھے۔ ایک نے اس کے سامان کی بوٹلی اڑالی جس میں کھجور (

کی تھیلی تھی۔ صبح تھیلی پھٹی پائی گئی مگر کھجوریں غائب تھیں،

پندرہ دن سفر کرنے کے بعد وہ ایذاب (AYDHAB) پہنچا۔ بارھویں، تیرھویں اور چودھویں عیسوی صدیوں میں یہ مقام بحیرۂ قلزم پر یمن اور ہند کی تجارتوں کا مرکز تھا اور بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ۱۴۲۲ء میں سلطان مصر نے اس کو تباہ کر ڈالا۔ اور اس کے عوض سواکن کی بندرگاہ کو آباد کیا۔ ایذاب میں اسوقت کافی آبادی تھی۔ دودھ، مچھلی، اناج اور کھجوریں بافراط بالائی مصر سے مہیا کی جاتی تھیں، وہاں کے لوگ سیاہ فام تھے، زرد کمبل اوڑھتے تھے۔ بیجا (BGAS) کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملتا تھا۔ شہر کا ایک تہائی حصہ سلطان مصر کا مطیع و فرمانبردار تھا بقیہ دو تہائی بادشاہ بیجا الہدربی (ALHUDRUBI) کے تحت اسوقت وہ سلطان مصر سے برسر پیکار تھا، اور اس کے جہازوں کو ڈبو دیا تھا، اسی وجہ سے ابن بطوطہ آگے نہ جا سکا۔ اور قوس واپس ہو کر دریائے نیل کی کشتیوں کے ذریعے وسط جولائی ۱۳۲۶ء میں قاہرہ واپس ہوا۔

قاہرہ میں صرف ایک رات ٹھیر کر ابن بطوطہ بلبیس اور الصالحہ کے راستہ سے شام کی طرف چلا۔ مسافروں کے ٹھیرنے کے لئے جا بجا مسافر خانے بنے ہوئے تھے۔ قیتا میں کروڑ گیری (محصول چنگی) وصول کیجاتی تھی جس سے حکومت کو روزانہ ایک ہزار دینار طلائی وصول ہوتے تھے عراق کے جاسوسوں اور نیز عام تدابیر تحفظ کے تحت بغیر اجازت

کے کوئی شخص مصر سے شام یا شام سے مصر جا نہیں سکتا۔ حاکم نے ابن بطوطہ کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آیا۔ وہ مصر کی سرحد عبور کر کے غازہ میں داخل ہوا۔ یہاں سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر ہیرون (HEBRON) میں پہنچا، جس کی مسجد نہایت عالیشان اور بڑے بڑے چوکور پتھروں سے بنی تھی۔ بموجب عام روایات اس کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ ان کے مقابل ان کی بیویاں مدفون ہیں۔ کسی شخص کو ان کی نسبت شک و شبہ نہ تھا، اس مسجد میں حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی مزار ہے اور اس کے جانب شرق حضرت لوط کا جس پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی ہے۔ قریب میں ڈیڈ سی (DEADSEA) واقع ہے اس کا پانی بہت کھاری بلکہ کڑوا ہے۔ ہیرون سے ابن بطوطہ بیت اللحم مقام ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوتا ہوا یروشلم پہنچا۔ چونکہ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے زیادہ متبرک شہر تصور کیا جاتا تھا۔ اس شہر کی دیواریں سلطان صلاح الدین ایوبی نے گرا دی تھیں تاکہ عیسائی اس پر قبضہ کر کے قلعہ بند نہ ہو سکیں۔ یروشلم کی مسجد کی نسبت مشہور تھا کہ تمام دنیا کی مسجدوں سے بڑی ہے۔ اس کا طول پانسو تینتالیس ۵۴۳ گز اور عرض ۴۳۲ گز ہے۔ مسجد ایک کھلی عمارت تھی صرف ایک حصہ پر جو مسجد اقصیٰ کہلاتا ہے نہایت خوبصورت اور سونے چاندی سے آراستہ چھت تیار کی گئی ہے۔ اس کے قریب اس مقام پر جہاں سے عام

عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰؑ نے آسمان کی طرف صعود کیا ایک عمارت بنائی گئی ہے، یروشلم کی مسجد کے دوسرے اور متبرک مقامات دیکھتا ہوا وہ عسقلان پہنچا۔ جو صلیبیوں کی لڑائیوں میں بالکل منہدم ہو گیا تھا یہاں سے وہ الرملہ یا فلسطین کے شہر کو گیا جس کی مسجد کے قبلہ میں کہا جاتا ہے کہ تین رسول مدفون ہیں، اس کے بعد نابلوس گیا جو روغن زیتون کی تجارت کے لئے تمام شام میں سب سے زیادہ مشہور ہے پھر جلون ہوتا ہوا لاذقیہ پہنچا پھر غورہ اور سمندر کے ساحل پر سے عکہ گیا، جو اسوقت محض کھنڈر ہو گیا تھا۔

اس مقام سے وہ سور (TYRE) کے کھنڈروں میں سے گزرا جس کے قلعوں کی مضبوطی تمام دنیا میں مشہور تھی۔ سیدا (SIDON) گیا اور اس کے بعد طبریہ گیا اس کو بھی کھنڈر پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابن بطوطہ کے تین جداگانہ سفروں کے حالات مخلوط ہو گئے ہیں یہاں بحیرۂ گلیلی (GALILEE) واقع ہے جو اٹھارہ میل لمبا اور نو میل سے زائد چوڑا ہے۔ زمانہ دراز سے اس کی شہرت چلی آرہی ہے۔ طبریہ میں مسجد حضرت شعیبؑ (JETTRS) اور اُن کی دختر (زوجہ حضرت موسیٰ) اور حضرت سلیمانؑ کی قبریں ہیں وہاں سے وہ چاہ کنعان جس میں حضرت یوسفؑ کو آپ کے بھائیوں نے گرایا تھا دیکھنے گیا اس کے بعد اس نے بیروت کے خوبصورت شہر کی سیر کی جس کی مسجد اور میوہ کا بازار بہت خوشنما ہے، بیروت سے میوہ اور لوہا مصر بھیجا جاتا تھا۔

یہاں سے چلکر اس نے بمقام کرک نوح ابو یعقوب یوسف (سابق بادشاہ شمال مغربی افریقہ) کا مقبرہ دیکھا جہاں مسافروں کی آسایش کے لیئے ایک مذہبی ادارہ وقف تھا، وقف سلطان صلاح الدین یا نور الدین اتابک کی طرف سے قایم کیا گیا تھا پھر وہ شہر طرابلس الشام کو گیا جو کسی زمانہ میں شام کے سربرآوردہ شہروں میں شمار ہوتا تھا بعد کو حصن الاکراد (قلعۃ الحصن) اور حمص ہوتا ہوا گرد و نواح کے باغات اور پن چکیوں کی سیر کرتا ہوا شیعوں کے شہر معرا میں داخل ہوا، پھر حلب میں جو اسوقت سلطان مصر کے تحت ایک حاکم المخاطب بہ ملک الامراء کے زیر فرمان تھا۔ حلب سے ترکمانوں کے ایک نو آباد شہر تیزین ہوتا ہوا انطاکیہ پہنچا، جو بہت آباد اور خوبصورت مکانات اور باغات سے معمور تھا، وہاں سے سیس دار منستان کوچک پہنچا جس میں فرقہ فدائیان کے بہت سے قلعے تھے یہ لوگ زہر آلود تیروں اور خنجروں سے سیاسی اغراض کے تحت منتخب اشخاص کو قتل کر دیتے تھے۔

ابن بطوطہ یہاں سے جبلہ گیا جہاں ابراہیم ادہم کا مزار ہے، اس نواح میں اسوقت اکثر نصیری آباد تھے، جن کے اعتقادات عام مسلمانوں سے بالکل مختلف تھے۔ پھر وہ لاذقیہ گیا جس کے قریب عیسائی رہبانوں کا ایک مسکن دیر الفاروس کے نام سے مشہور تھا، جو شام اور مصر میں اپنی نوع کا سب سے بڑا ادارہ تھا، عیسائی اور مسلمانوں کا اس میں

مُفت سربراہی کی جاتی تھی لاذقیہ کی گودی کی حفاظت دو میناروں کے بیچ میں ایک بھاری زنجیر باندھ کر کی جاتی تھی زنجیر کے کھولے بغیر باہر کے کسی جہاز کی گودی کے اندر رسائی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ گودی کے اندر کا کوئی جہاز باہر جا سکتا تھا۔ یہاں سے وہ المرقب کے قلعہ کی طرف گیا جس کو الملک المنصور سیف الدین قلادن (الناصر کے باپ) نے بزور شمشیر صلیبیوں سے چھینا تھا اسمیں کسی اجنبی کو جانے کی اجازت نہ تھی الناصر اس قلعہ کے قریب پیدا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ پھر کوہ الاقوع پر سے گذرا جو ملک شام کا سب سے اونچا پہاڑ اور ساحل کا سب سے پہلا حصہ ہے جو سمندر سے نظر آتا ہے، یہاں ترکمان آباد ہیں، پھر وہ جبل لبنان پر پہنچا جو دنیا میں سب سے زیادہ شاداب پہاڑ میں میوہ کے درخت اور پانی کی نہروں سے معمور ہیں بہت سے تارک الدنیا (صلحائے لُبنان) اس میں رہتے ہیں۔

پھر بعلبک کا مشہور شہر دیکھا، جو دمشق کے بعد شام میں سب سے بڑا مرفہ الحال شہر ہے، اس میں جتنے آڑو پیدا ہوتے ہیں اتنے کہیں اور نہ دیکھنے میں آئے نہ سننے میں، بعلبک کی مٹھایاں کپڑا اور لکڑی کا سامان بہت مشہور ہے،

پنجشنبہ ۹ رمضان ۷۲۶ھ (مطابق ۹ راگست ۱۳۲۶ء) کو وہ دمشق میں داخل ہوا، اور ایک مالکی ادارہ موسوم بہ الشرابشیہ میں اترا۔ دمشق کو وہ تمام شہروں سے زیادہ خوبصورت بتاتا ہے، اور اپنے بیان کی تائید میں

ابن جبیر کی مقفیٰ نثر پیش کرتا ہے۔ مسجد اموی اس زمانہ میں تمام دُنیا کے مساجد سے زیادہ شاندار سمجھی جاتی تھی، ولید اوّل بن عبد الملک (۷۰۵ء۔۷۱۵ء) نے اس کو تیار کروایا تھا۔ اسلامی مورخین کے بیان کے بموجب شہر دمشق ایک طرف سے آدھا بزور شمشیر اور دوسری طرف سے آدھا بذریعہ مصالحت فتح ہوا۔ سینٹ جان کی کلیسا پر صلح و جنگ کی جماعتوں کے دونوں عرب سپہ سالار ایک دوسرے سے ملے۔ اس لئے کلیسا کا آدھا حصہ ضروری ترمیم کے بعد مسجد بنایا گیا۔ اور بقیہ آدھا حسب سابق عیسائیوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا، ولید نے فتح کے ستر سال بعد عیسائیوں کو معاوضہ دے کر کلیسا کا باقی حصہ بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا۔ پہلے اس تجویز کی بڑی مخالفت کی گئی آخر میں عیسائیوں کو مان لینا پڑا۔ جب تیمور لنگ نے دمشق پر سنہ ۱۴۰۱ء میں قبضہ کیا تو شہر کی تباہی و بربادی میں مسجد کا بیشتر حصہ منہدم ہو گیا موجودہ عمارت کئی مرتبہ کی جدید تعمیر و ترمیم کا نتیجہ ہے۔ ابن بطوطہ بڑی تفصیل سے جامع دمشق اور اس کے مضافات کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس مقام پر امیر معاویہ کا قصر الخضرا تھا وہاں دورِ بنی عباس میں اس کو توڑ کر بازار بنا دیا گیا، پھر وہ باب جیرون اور اس کی مشہور پانی کے عمل سے چلنے والی گھڑیاں کا ذکر آتا ہے۔ جو ایک زمانہ میں قدر و تعجب کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ ابن جبیر نے بھی اپنے سفر ۱۱۸۴ء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ دمشق کے سربرآوردہ حنبلی علماء میں تقی الدین ابن تیمیہ بڑے عالم تھے۔ لیکن کسی قدر خود رائے۔ مالکی علماء سے بعض عقاید سے متعلق اُن کا

اختلاف تھا۔ تیز مزاجی کی وجہ سے بادشاہ وقت نے ان کو قید کر دیا۔ چنانچہ ۱۳۲۸ء میں انہوں نے قید ہی میں انتقال کیا۔ بعد کو وہابیوں نے بڑی قدر و عظمت کی۔

دمشق کے مشہور متبرک مقامات میں مسجد الاقدام بھی ہے۔ جو شاہراہ حجاز، یروشلم و مصر پر شہر سے دو میل جنوب میں واقع ہے عوام کا عقیدہ ہے کہ اس کے قریب ایک پتھر پر حضرت موسیٰ کے قدم کے نشان ہیں، اس میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جسمیں ایک پتھر پر کندہ کیا گیا ہے کہ ایک عارف سے آنحضرت صلعم نے خواب میں فرمایا تھا کہ یہاں میرے بھائی حضرت موسیٰ عم کا مزار ہے۔ ابن بطوطہ اپنے واپسی کے سفر میں (جولائی ۱۳۴۸ء) اس مسجد کی برکت سے دمشق کے روزانہ طاعونی اموات کی اچانک کمی کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے رفاہ عام سے متعلق اوقاف وغیرہ کی ایک بڑی فہرست دیتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ احکام اسلام کی تعمیل کے بموجب زکوۃ کی رقوم کے دیانت دارانہ طریقہ استعمال سے عوام الناس کو کسقدر فائدہ پہنچ سکتا ہے، پھر مالکی فرقہ کے عالم نورالدین سخاوی کی مہمان نوازی اور فیاضیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کی علالت میں اسکے ساتھ بڑی محبت و ہمدردی سے پیش آئے۔

غرہ شوال (یکم ستمبر ۱۳۲۶ء) کو وہ حجاز کے کارواں کے ساتھ حج کو نکلا راستہ میں بصرا، زیزا کی جھیل اور اللجون پر سے ہوتے ہوئے قلعہ کرک پہنچا جہاں سلطان الناصر نے اپنے مملوک سالار کی بغاوت کے زمانہ میں پناہ

لی تھی۔ پھر شام کے آخری شہر معان اور عقبتہ السوان ہوتے ہوئے صحرا کے لق ودق میں داخل ہوا جس کے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اس میں آتا ہے وہ کھو جاتا ہے۔ اور جو بچ کر نکل جاتا ہے نیا جنم لیتا ہے۔ پھر ذات حج کے زیر زمین چشموں پر سے ہوتے ہوئے وادی بلدہ کے بے آب مقام سے تبوک پہنچا جہاں آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ میں فوج کشی فرمائی تھی۔ یہاں چار دن ٹھیر کر اونٹوں پر پانی بھر لیا گیا تھا تاکہ العلی کے خوفناک صحرا کو عبور کر لیا جائے۔ الاخیدر کی وادی بڑی خطرناک بیان کی جاتی تھی۔ باد سموم کی سختی سے مسافروں کی جانیں خطرہ میں رہتی تھیں۔ تبوک سے نکل کر پانچ دن کے بعد بئر الحجر پہنچے جہاں پانی کی افراط تھی۔ لیکن باتباع ارشاد آنحضرت صلعم کسی شخص نے وہاں پانی نہیں پیا۔ یہاں قوم ثمود کے بود و باش کے آثار موجود ہیں!

العلی کا نخلستان اور شاداب گاؤں الحجر سے نصف یوم راہ پر واقع ہے عازمان حج اس مقام پر چار دن ٹھیر کر نہاتے اور کپڑے دھو لیتے ہیں صرف ضروری سامان سفر ساتھ لیکر باقی سب گاؤں کے باشندوں کی حفاظت میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ واپسی میں حاصل کر لیں۔ گاؤں کے لوگ بڑے متدین اور بھروسہ کے قابل بیان کئے جاتے تھے۔

تین دن بعد کاروان مدینہ منورہ پہنچا، اسطن حنانہ کے باقیماندہ ٹکڑے کو بادب چھو کر آنحضرت صلعم کے مزار مبارک اور حضرت ابوبکر رضی اور حضرت عمر رضی کی قبروں پر فاتحہ دیتے ہوئے اور راتوں کو مسجد نبوی میں عبادت کرتے ہوئے مدینۃ النبی میں چار دن قیام کیا پھر راہی مکہ معظمہ

ہوئے۔ پانچ میل راہ پر مسجد ذوالحلیفہ پر ٹھیر کر سنت رسول اللہ کے اتباع میں حج کی نیت کر کے سیئے ہوئے کپڑے اتار کر حاجیوں کا لباس (احرام) پہن لیا۔ چوتھا مقام قصبہ بدر میں ہوا یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو کفار پر بڑی فتح عطا فرمائی تھی یہاں خرما کے درخت اور پانی کی بڑی نہر ہے۔ اس کے بعد وادی بزدا کے دشت سے گزرتے ہوئے وادی رابغ گئے۔ جہاں صرف بارش کا جمع شدہ پانی میسر آتا تھا۔ پھر جحفہ کے قریب پہنچے۔ اس مقام پر مصر اور شمالی افریقہ کے حاجی احرام باندھتے ہیں پھر خلیص کے نخلستان اور اس کے بدویوں کے بازار سے ہوتے ہوئے عسفان اور وادی مر کی نہر پر پہنچے۔ یہ ایک شاداب مقام ہے جہاں سے مکہ معظمہ کو میوہ اور ترکاریاں بھیجی جاتی تھیں۔ رات ہی کو مکہ معظمہ میں داخل ہو کر حج کے مناسک ادا کرنے شروع کر دیے گئے۔

مکہ معظمہ کے باشندے بڑے نیک اور فیاض ہیں، غربا اور محتاجوں کی پرورش کرتے ہیں، مرد عورت بہت پاک صاف سفید لباس پہنتے ہیں، عطر اور کحل بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اہل مکہ میں سے ایک تارک الدنیا بزرگ ابن بطوطہ کے باپ کے قدیم ملاقاتی تھے جو طنجہ میں ان کے مہمان رہے تھے۔ دن میں وہ مدرسہ مظفریہ میں درس دیا کرتے تھے۔ اور رات کو اپنے قیام گاہ خانقاہ ربیع میں چلے جاتے تھے۔ حجاز کے متمول لوگ اس خانقاہ کی مدد کرتے تھے۔ طائف (جو مکہ سے دو دن کی راہ ہے) کے باشندے اس کے لئے میوہ بھیجا کرتے تھے

باب (۲)

۱۷ر نومبر ۱۳۲۶ء کو ابن بطوطہ مکہ معظمہ سے عراق کے کاروان کے ساتھ روانہ ہوا سالار کارواں اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور کئی طرح سے نیک سلوک کیا اس کے ساتھ عراق، خراسان فارس اور ممالک مشرق کے حاجیوں کی ایک کثیر جماعت تھی، غربا کے لئے اونٹوں پر پانی بھر لیا گیا تھا، پکوان کا سامان اور بیماروں کے لئے دوائیاں وغیرہ بھی کافی رکھ لی گئیں تھیں، سلطان عراق ابوسعید کی طرف سے یہ تمام سہولتیں مہیا کی گئی تھیں، سفر راتوں میں کیا جاتا تھا اور اونٹوں اور محملوں کے سامنے مشعلیں روشن کی جاتی تھیں، خلیص اور بدر سے مدینہ منورہ پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی دوبارہ زیارت نصیب ہوئی چھ دن کے قیام کے بعد تین یوم کا پانی لے کر چلے تیسری شب وادی العروس پہنچکر زیر زمیں طبقات میں جو پانی جمع ہوتا تھا کھود کر نکالا گیا بہت میٹھا تھا پھر نجد کے مسطح میدانوں میں سے ہوتے ہوئے پانی کے مقامات عسیلہ اور النقیرہ پر سے گذرے پھر القارورہ پہنچے جہاں صرف بارش کا پانی حوضوں میں جمع کیا جاتا تھا، کہتے ہیں کہ یہ سب ذخائر آپ جعفر کی بیٹی (زوجہ خلیفہ ہارون رشید) نے تیار کرائے تھے۔ مکہ سے بغداد تک جتنے بھی حوض، باولیاں، اور مصنوعی تالاب ہیں وہ سب اسی

نیک بخت بی بی کی یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے (یہ راستہ درب زبیدہ کہلاتا ہے، بلکہ زبیدہ کے اوقاف غالباً اب بھی برقرار ہیں)۔

نجد کا موسم سال تمام معتدل رہتا ہے، کارواں بعد ازاں الحاجر اور سمیرا میں ٹھیرا، یہاں پانی بہت ملتا ہے مگر کھاری، اس مقام پر بدوی مسافروں کو موٹے سوت کے کپڑے کے معاوضہ میں بکرے، گھی اور دودھ بیچتے ہیں، آگے چل کر ایک ٹیلہ ملتا ہے، جسکی چوٹی پر ایک سوراخ ہے۔ اس میں سے ہوا نکلتی ہے۔ تو سیٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے کارواں پھر فید کی گڑھی پر پہنچا، جو مکہ اور بغداد کی نصف راہ میں واقع ہے۔ یہاں وہ عرب کے دو امیروں فیاض اور ہیار فرزندان امیر محمد ابن عیسیٰ سے دوچار ہوئے جن کے ساتھ سوار اور پیادہ عرب سپاہ کی بڑی تعداد تھی، اسی جگہ حاجی مقامی عربوں سے بکرے اور اونٹ خریدتے ہیں، پھر اجفور، زرود اور ایک ویران وادی میں سے گذرے جو شیطان کا راستہ کہلاتی ہے۔ سفر کا صرف یہی حصہ تکلیف دہ تھا، مگر کچھ بہت مشکل یا لمبا نہ تھا، بعد ازاں واقصہ میں اترے جہاں ایک بڑا قلعہ اور پانی کے حوض ہیں، اس میں عربوں کی آبادی ہے۔ اس کے بعد کوفہ تک کہیں پانی دستیاب نہیں ہوسکتا اِلّا دریائے فرات کی نہروں سے۔ واقصہ میں اُترے جہاں اکثر لوگ کوفہ سے حاجیوں کی ملاقات کو تحفے لے کر آتے ہیں، راستہ میں لوزۃ المساجد اور منارۃ القرون

پر کچھ دیر تک قایم رہا، اِس کے بعد ایک شاداب وادی العذیب اور پھر القادسیہ کی مشہور رزمگاہ میں قیام کیا، جہاں سعد بن ابی وقاص نے یکم جون ۶۳۷ء کو ایرانی فوج کو شکستِ فاش دی تھی، اس جگہ خرما کے نخلستان اور دریائے فرات کی ایک شاخ ہے،

بعد کو نجف (مشہد حضرت علیؓ) میں قیام رہا۔ یہ شہر عراق کے بہت بڑے شہروں میں سے ہے، ایک وسیع پہاڑی میدان میں واقع ہے، اِس کے بازار خوبصورت اور صاف ستھرے ہیں، حضرت علیؓ کے مزار پر اس وقت بہت خدام اور رکھوالے ملازم تھے۔ نو وارد چاندی کی دہلیز کو چوم کر اندر جانے کی اجازت لیتے ہیں۔ مزار کے گرد قیمتی قالین وغیرہ بچھے ہوے ہیں۔ اور سونے چاندی کے قنادیل آویزاں ہیں، شہر میں تمام شیعی ہیں، اور اُن کا عقیدہ ہے کہ ۲۷ رجب کو رات کے وقت جو بیمار مزار پر حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنھیں شفا بخش دیتا ہے شہر کا حاکم نقیب الاشرف کہلاتا ہے، اس کے رجسٹر میں اہلبیت کے نام درج ہیں وہ بڑا ہی بلند مرتبت خیال کیا جاتا ہے، شہر کے باشندے بڑے جری اور فیاض ہیں۔ یہاں سے کاروان بغداد کی طرف چلا گیا، مگر ابن بطوطہ اِس مُلک کے عربوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر سے راہی بصرہ ہوا راستہ میں ایک مقام العذرا ملتا ہے جہاں پانی اور نیستان کی کثرت ہے یہاں کے ڈاکو شیعی ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں چنانچہ ابن بطوطہ کے پیچھے انھوں نے چند

درویشوں کا سارا مال واسباب چھین لیا حتیٰ کہ پاؤں کے جوتے اور لکڑی کا کونڈا بھی نہ چھوڑا، اس خطہ کے تین دن کے سفر کے بعد وہ واسطہ پہنچا، جس کے باشندے عراق بھر میں خوبیٔ اخلاق کے لحاظ سے بہترین مشہور ہیں، قرآن مجید کی قرأت سیکھنے کے لئے تمام عراق کے طالب علم واسطہ ہی کو آتے ہیں، چونکہ یہاں کارواں تین دن ٹھیرتا تھا اس لئے ابن بطوطہ اُمِ عبیدہ کے قریہ میں سید احمد الرفاعیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا، جو ایک دن کے راستہ پر واقع ہے، یہاں ہزاروں درویشوں کے بود و باش کی غرض سے خانقاہیں بنائی گئی ہیں، نماز عصر کے بعد طبل و کوس کی آواز پر درویش رقص کرتے ہیں نماز مغرب کے بعد کھانے کے لئے انہیں چاول کی روٹی مچھلی، دودھ اور کھجوریں ملتی ہیں، بعد نماز عشاء آگ سلگائی جاتی ہے، اور درویش اس کے گرد گاتے ہوئے ناچتے ہیں، بعض تو آگ میں لوٹتے بلکہ انگارے مُنہ میں ڈال لیتے ہیں، اس طرح تمام آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ سید احمد رفاعی کے چند ایک فقیر بڑے بڑے سانپوں کے سر بھی مُنہ میں لے کر کتر ڈالتے ہیں،

جب ابن بطوطہ اس مقام سے واسطہ واپس ہوا تو کارواں نکل چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے ہو لیا، اور راستہ میں جا ملا پھر اس کے ساتھ بصرہ پہنچا، شہر سے دو میل پر اس نے حضرت علی رضؓ کی مسجد دیکھی جو بوقت تعمیر وسط شہر میں تھی، شہر اب چھوٹا ہو گیا، اور آبادی گھٹ گئی لیکن اس کے کھجور باغ اتنے ہیں کہ دُنیا میں کہیں اور نہ ہوں گے، ایک عراقی درہم

کو جو اس زمانہ میں مصری نقرہ کے ایک تہائی برابر تھا اور ہندوستان کے حالیہ ۱/۲ ۱ آنے کی برابر) سات سیر کھجوریں ملتی تھیں، قاضی شہر نے ابن بطوطہ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرہ تحفتہً بھیجا، جس کو ایک آدمی بمشکل اٹھا سکتا تھا بازار میں بکوایا تو نود ۹) درہم قیمت وصول ہوئی۔ لیکن مزدور کو گھر سے بازار تک لے جانے میں تین درہم دینے پڑے،

اہل بصرہ بڑے نیک مزاج اور مہمان نواز ہیں، جمعہ کی نماز مسجد علی رضؓ میں پڑھی۔ جاتی تھی، مگر باقی دنوں میں یہ مسجد بند رہتی تھی، افسوس ہے کہ پیش امام نے خطبہ میں قواعد زبان کی بہت غلطیاں کیں، جب ابن بطوطہ نے قاضی شہر سے اس کی شکایت کی تو قاضی نے کہا اس شہر میں اب ایک شخص بھی باقی نہیں ہے۔ جو قواعد سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، حیرت کا مقام ہے کہ بصرہ ہی وہ شہر تھا جہاں سب سے پہلے عربی زبان کے قواعد منضبط ہوئے اب اس کی یہ حالت ہوگئی۔

بصرہ سے ابن بطوطہ ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر اُبلہ پہنچا، یہ کسی زمانہ میں بڑی بندرگاہ تھی، ہندوستان اور فارس سے تجار سامان لاتے لیجاتے تھے اب صرف ایک قریہ رہ گیا ہے مگر دریا کے دونوں کنارے میوہ کے باغ تھے سوداگر درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر مچھلی، روٹی، دودھ کھجوریں اور دوسرا میوہ بیچتے تھے یہاں سے وہ ایک دوسری کشتی میں سوار ہو کر عبدان (عبادان) گیا، اس کی ایک ویران مسجد میں اس نے ایک باخدا درویش سے ملاقات کی، جس نے اس کے حق میں دعائے خیر کی، اور بطور تحفہ ایک مچھلی دی

جو خود اپنے ہاتھ سے پکڑی تھی، ابن بطوطہ نے اس کو بہت خوش ذائقہ پایا،
یہاں سے وہ ماجول گیا، جو بحیرۂ فارس پر واقع تھا، وہاں سے عراق عجم
اور عراق عرب جانے کی غرض سے براہ خشکی کردوں کی آبادی میں سے
ہوتا ہوا رام ہومز پہنچا پھر خانقاہوں میں ٹھیرتا ہوا (جہاں روٹی گوشت اور
مٹھائی سے مسافروں کی تواضع کی جاتی تھی)، تستر میں داخل ہوا یہاں شیخ
شرف الدین موسیٰ کے مدرسہ میں سولہ دن قیام کیا، اس بزرگ کا وعظ بعد
نماز جمعہ بڑا سبق آموز پایا، کہتا ہے کہ ایسا اچھا وعظ اس نے حجاز شام
اور مصر میں کبھی نہیں سُنا تھا۔ لوگ مذہبی مسائل کاغذ کے پرچوں پر
لکھ کر ان کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ وہ ان کو پڑھ کر ان کے جواب لکھ دیتے
تھے۔ جو نہایت سنجیدہ اور پُر مغز ہوتے تھے۔

تستر سے مسافر تین رات باری باری سے مسافرخانوں یا خانقاہوں
میں ٹھیرتے ہوئے پہاڑوں میں سے گذرے اور بالآخر ایذاج پہنچے جس کا
دوسرا نام مال الامیر تھا، وہ ایک سلطان اتابک کا پایہ تخت تھا، اس کا
بیٹا کچھ دنوں قبل مر گیا تھا، لوگ اس کا سوگ منا رہے تھے۔ جب ابن بطوطہ
سلطان کے دربار میں داخل ہوا تو اس کے سامنے شراب کے دو پیالے
دیکھے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا۔ سُلطان کی یہ حرکت اس کو بہت
بُری معلوم ہوئی، مناسب الفاظ میں نصیحت کی، دربار کے ایک عالم
نے جب یہ دیکھا تو اس کی بڑی عزت کی اور دعا مانگی کہ یہ نصیحت کارگر
ثابت ہو۔ ایذاج سے روانہ ہوتے وقت اس کو اور اس کے ساتھیوں کو

سلطان کی طرف سے کچھ دینار بطور ہدیہ بھیجے گئے، دس دن تک سُلطان کے ملک میں سفر جاری رہا۔ چاروں طرف بلند پہاڑ تھے، ہر رات مسافر ایک مدرسہ میں ٹھیرتے تھے، وہاں انکے قیام و طعام کا اچھا انتظام تھا، ملک کی ایک تہائی آمدنی اس کام کے لئے وقف تھی، پھر اشترکان اور فیروزان پر سے ہوتے ہوئے اصفہان پہنچے، یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے اطراف میں کئی باغ تھے جن میں نہریں بہتی تھیں اس وقت اگرچہ شہر کا بیشتر حصہ سنی شیعہ کی جنگ کی وجہ سے غیر آباد ہو چکا تھا، پھر بھی میوہ کی افراط تھی آلو بخارا، انگور، اور خربزہ قابل تعریف تھے، لوگ بڑے مہمان نواز تھے، اور ہر قسم کی تجارت امداد باہمی کے اصول پر کی جاتی تھی۔

اصفہان سے نکل کر مسافر شیراز کی طرف روانہ ہوئے تاکہ شیخ مجدالدین سے نیاز حاصل ہو، پہلے چھ دن کا راستہ طے کر کے یزدی خواست گئے، جس کی پنیر بہترین سمجھی جاتی ہے، دو سے چار اونس تک اس کا وزن ہوتا ہے، پھر ترکوں کے ملک میں سے ہوتے ہوئے شیراز پہنچے اس کو نہایت خوش وضع اور آباد پایا، باشندگان شیراز خوش رو اور خوش پوشاک تھے، اس کی رائے میں دمشق کے بعد اگر مشرق بھر میں کوئی شہر خوبصورت خوشحال اور شاداب ہو سکتا تھا تو وہ شیراز تھا رکناباد کی ندی کا پانی بہت شیریں تھا، موسم گرما میں ٹھنڈا اور سرما میں گرم، اس کے باشندے بڑے متدین اور عبادت گزار تھے علی الخصوص عورتیں جو ہر دوشنبہ، پنجشنبہ و جمعہ کو شہر کی سب سے بڑی مسجد میں

وعظ سننے کے لئے جمع ہوتی تھیں، سب کے ہاتھوں میں ایک ایک پنکھا ہوتا تھا، اس لئے کہ گرمی شدت کی تھی، عبادت کے لئے عورتوں کے اتنے بڑے اجتماع اور کہیں نہیں دیکھے،

شیراز پہنچ کر سب سے پہلا کام جو ابن بطوطہ نے کیا مشہور بزرگ مجد الدین اسمٰعیل کی خدمت میں حاضری تھی، اس وقت کے بادشاہ عراق اور عوام الناس میں شیخ کی بڑی عزت تھی، سابق بادشاہ سلطان محمد خدابندہ اولجائیتو (دورِ حکومت ۱۳۰۵ء تا ۱۳۱۶ء) جس کا بچپن میں باتباع دین مسیحی بپتسمہ ہوا تھا، اسوقت جبکہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوا تھا، ایک شیعی مجتہد کے زیر اثر تھا، جب اپنے تاتاری قبائل کے ساتھ مسلمان ہوا تو مجتہد کے کہنے پر اپنے ممالک میں شیعی عقاید بجبر پھیلانے لگا، بغداد شیراز اور اصفہان نے اس کے حکم کی مخالفت کی، تو بادشاہ نے ان تینوں شہروں کے قاضیوں کو طلب کیا، سب سے پہلے قاضی مجد الدین شیرازی گرمائی سکونت کے مقام قراباغ میں بلائے گئے: جب وہ آئے تو ان کو بہت بڑے بڑے شکاری کتوں کے سامنے ڈلوا دیا تاکہ کتے انکو پھاڑ کر کھا جائیں، لیکن قاضی صاحب کو دیکھتے ہی کتے اُن پر حملہ کرنے کی بجائے دُم ہلانے لگے، اور اُن کے ساتھ اپنے آقا کا سا سلوک کیا یہ سن کر اولجائیتو (خدابندہ) نے ان کا بڑا احترام کیا اور انہیں اچھی جاگیریں عطا کیں، ساتھ ہی شیعی تعصب کو بھی ترک کر دیا۔ ابن بطوطہ جب شیخ صاحب سے ملنے گیا تو وہ اس سے بغلگیر ہوئے اور اپنی جانماز

پر نماز پڑھنے کو کہا واپسی کے سفر میں بھی ابن بطوطہ آٹھ سو ۱۳۴۶ء میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا" اس وقت وہ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ایک بادشاہ وقت ابو اسحاق کو ان کے سامنے اپنا کان آپ پکڑے بیٹھے دیکھا جو انتہائی ادب کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ سلطان ابو سعید جب ۱۳۳۵ء میں فوت ہوا تو امراء سرکش ہو گئے جس کے ہاتھ جو صوبہ آیا اس پر قابض ہو گیا، ابو اسحاق نے شیراز، فارس اور اصفہان پر اپنا قبضہ جمایا، اسکی فوج پچاس ہزار سے زائد تھی اس میں ترکی اور ایرانی (باستثناء اہل شیراز) شامل تھے،

شیراز میں متعدد متبرک مقامات مشہور تھے، ایک عبداللہ ابن خنیف کا مقبرہ تھا، کہتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ تیس درویشوں کے ساتھ جزیرہ سیلون (سراندیپ) کے پہاڑ موسوم بہ قلۂ آدمؑ کو گئے راستہ بھول کر ایک جنگل میں چلے گئے جہاں کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ وہاں پست قد ہاتھیوں کا منڈا تھا، بھوک سے بیتاب ہو کر درویشوں نے (باوجود ممانعت شیخ) ان ہاتھیوں سے ایک کو کاٹ کر کھا لیا، رات کو جب وہ سو رہے تھے ہاتھیوں نے درویشوں کا منہ سونگھ کر پہچان لیا کہ شیخ کے سوا باقی تمام ہاتھی کا گوشت کھائے ہوئے تھے، ان سبھوں کو مار ڈالا۔ اور شیخ کو ایک ہاتھی نے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر آبادی میں پہنچا دیا، لوگوں نے ان سے جب یہ واقعہ سُنا تو ان کی بڑی عزت کی اسی وجہ سے سیلون کے بدھ مذہب کے آدمی مسلمان درویشوں کو اپنے گھروں میں اتارتے ہیں اور ان کے ساتھ

اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ برخلاف ہندوستان کے برہمنوں کے جو مسلمانوں سے ہمیشہ دور دور رہتے ہیں۔

پھر ابن بطوطہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے مزار پر پہنچا، جو رکنا باد ندی کے منفذ کے قریب واقع ہے۔ یہاں ایک خانقاہ ہے۔ جس میں شیخ کی زیارت کو آنے والوں کے قیام و طعام کا انتظام ہے، یہاں سے نکل کر ابن بطوطہ شیخ ابو اسحق الگاذرونی کے مقبرہ کو گیا، جو مقام گاذرون شیراز سے دو دن کے راستہ پر ہے کہتے ہیں کہ ان بزرگ کے تمام تاجر جن کے جہاز ہندوستان اور چین کے سمندروں کا سفر کرتے تھے، بہت معتقد تھے جب کبھی کوئی جہاز طوفان میں آجاتا یا اُس پر قزاق حملہ کرنے آتے تو تاجر ان بزرگ کے نام سے مدد مانگتے تھے، مصیبت سے چھٹکارہ ہونے پر ہزاروں دینار بایفائے منت شیخ کے مقبرہ کی نذر کرتے اس طرح وہاں ہزاروں غریبوں کی پرورش ہوجاتی تھی۔

ابن بطوطہ گاذرون سے براہ ہویزہ زیدان گیا اور وہاں سے پانچ یوم کے بے آب صحرا کا سفر کرکے کوفہ پہنچا، گو ایک زمانہ میں یہ شہر صحابۂ کرام و علماء و ادباء کی سکونت کا مقام تھا اور کچھ مدت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا، اسوقت ڈاکوؤں اور لٹیروں کی دست برد سے ویران ہو چلا تھا، لیکن اس کی مسجد ہنوز قایم اور شاندار تھی، کوفہ سے چل کر بئر الملاحہ کے خوبصورت قصبہ میں سے گذرا جہاں شیعی بکثرت آباد تھے"

دوسرے دن مع اپنے ساتھیوں کے دریائے فرات کے مغربی کنارے پر شہر حلہ میں داخل ہوا اس کے بازار وسیع اور قدرتی و صنعتی اشیاء سے معمور تھے، دریا کے آر پار آمد و رفت کے لیے کشتیوں کا ایک مضبوط پُل بنا ہوا تھا، حلہ کے تمام باشندے اثنا عشری ہیں لیکن دو گروہوں میں منقسم، ایک کرد، دوسرے "اہل المسجدین" اِن کے درمیان آئے دِن لڑائی جھگڑا ہوا کرتا تھا، بازار کے قریب ایک مسجد، مسجد قایم الزمان کے نام سے مشہور ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے شہر کے سو آدمی عادتاً مسلح ہوکر باجے بجاتے ہوئے حاکم شہر کے پاس جاتے ہیں۔ اور اس سے زین لگام سے پوری طرح آراستہ ایک گھوڑا یا خچر لے کر مقام مذکور کے دروازہ پر تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں "قائم الزماں اپنے گوشہ تنہائی سے باہر تشریف لائیے۔ دنیا میں بدکاری اور ناانصافی پھیل گئی ہے، اس کو دور کیجئے" اس طرح باجوں کی آواز کے ساتھ پکارتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک نماز مغرب کا وقت آجاتا ہے۔ اِن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسن العسکری کے فرزند حضرت محمدؐ بارھویں امام یکایک ایک غار میں چلے گئے، اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔ قیامت کے قریب اُن کا ظہور ہوگا، اِس لیے "امام مستتر" اور "امام المنتظر" کے نام سے مشہور ہیں۔

اس کے بعد ابن بطوطہ نے کربلا جاکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی، یہاں بھی داخلہ اور زیارت کے آداب و طریق

رہی تھے جو نجف میں حضرت علی رضؓ کے مزار مبارک سے متعلق تھے، افسوس ہے کہ اس وقت کربلا میں شیعوں کے ایک ہی خاندان میں دو جماعتیں ہوگئی تھیں جن کے درمیان آئے دن لڑائی جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ اس لئے شہر ویران ہو رہا تھا، وہاں سے ابن بطوطہ بغداد (سابق پایہ تخت اسلام بزمانہ بنی عباس) گیا، اس کی ندی دجلہ پر بھی کشتیوں کے دو پل تیار کئے گئے تھے، جن پر سے مرد و زن شبانہ روز گذرتے تھے، شہر میں گیارہ جامع مسجدیں تھیں، ندی کے سیدھے کنارے پر آٹھ اور بائیں پر تین، اور بھی مساجد، مدرسے بڑی تعداد میں تھے۔ مگر سب ویران و برباد پڑے تھے، بر این ہم اس شہر میں حمّام بہت تھے، اور اچھے طریقہ پر بنائے گئے تھے، ان پر باہر سے قیر چڑھا ہوا تھا جس سے سیاہ مرمر کا شبہ ہوتا تھا، ایک ایک شخص کے لئے علیحدہ حمّام خانے بھی تھے۔ جن میں ٹھنڈا اور گرم پانی غسل کے لئے مہیّا ہوتا تھا، نہانے والے کو تین تین تولئے دیئے جاتے تھے، اس طرح ستر پوشی کے ساتھ غسل ہوتا تھا اور بعد کو جسم اچھی طرح خشک کر لیا جا سکتا تھا۔ ایسا معقول اور قابل تعریف انتظام اس نے کسی اور جگہ نہیں دیکھا، (زمانہ حال کے دمشق کے حمّام خانوں میں ایک ایک شخص کو چھ سے دس تولئے تک دیئے جاتے ہیں، خود راقم الحروف نے ۱۹۱۳ء میں قسطنطنیہ کے ایک مشہور حمّام میں ایسا ہی معقول و مناسب انتظام دیکھا،) بغداد کا مغربی حصّہ جو پہلے تعمیر ہوا تھا اس وقت کھنڈر پڑا تھا، اس کے باوجود بھی شہر کے تیرہ حصے تھے۔

اُن میں سے ایک ایک حصہ بمنزلہ ایک شہر کے تھا جو دو تین حماموں اور دیگر ضروریات زندگی سے معمور تھا، اس کا مشہور بیمارستان (ہسپتال) اِس وقت ویران تھا، شہر کا مشرقی حصہ بازاروں سے بھرا تھا، سہ شنبہ کا بازار سب سے بڑا تھا، شرقی جانب میوہ کا کوئی درخت نہیں تھا، سب میوہ غربی جانب کے باغات سے فراہم کیا جاتا تھا،

ابن بطوطہ جس وقت بغداد پہنچا اُسی وقت ابوسعید بہادر خان سلطان عراقین وخراسان (فرزند محمد خدابندہ) بھی وہاں پہنچا، یہ مغل ایلخانان فارس کا آخری بادشاہ تھا، بڑا فیاض آدمی تھا، لڑکا ہی تھا کہ باپ کی جگہ تخت نشین ہوا، امیر اکبر چوبان نے اِس کو کمسن دیکھ کر حکومت اپنے ہاتھ میں کر لی، ایک دِن بادشاہ کی ایک ماں نے چوبان کے بیٹے دمشق خواجہ کی بے ادبی کی شکایت کی۔ تو ابوسعید نے اس کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا، چوبان اسوقت تاتاری فوج کے ساتھ خراسان میں تھا، فوج لے کر بادشاہ سے لڑنے آیا لیکن فوج بادشاہ کی طرف چلی گئی چوبان نے بھاگ کر شاہ ہرات کے ہاں پناہ لی لیکن اس نے چوبان اور اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے کو قتل کروا دیا، ابوسعید کو بادشاہت کے پورے اختیارات حاصل ہونے کے بعد چوبان کی ایک بیٹی سے شادی کرنے کی خواہش ہوئی، وہ بہت حسین تھی، اور بغداد خاتون کے لقب سے مشہور تھی اُس کا عقد پہلے شیخ حسین سے ہو چکا تھا (جو بعد کو ابوسعید کے مرنے پر خود عراقین کا بادشاہ بن گیا) اور اُسکا پھوپھی زاد

بھائی بھی تھا)، ابو سعید کے حکم سے شیخ حسین نے بغداد خاتون کو طلاق دی اور وہ ابو سعید کے نکاح میں آ گئی۔ بادشاہ کو اس سے بہت محبت تھی اور اس کا اسیر بہت اثر تھا، ترک عموماً اپنی عورتوں کی بڑی عزت کرتے ہیں، سلطان کے فرمان کے ساتھ لکھا جاتا تھا حسب الحکم سلطان و خواتین سلطان، کچھ عرصہ بعد سلطان نے ایک دوسری عورت دلشاد (دختر دمشق خواجہ) سے شادی کی بغداد خاتون نے حسد کے مارے ابو سعید کو رومال کے ذریعہ زہر دے کر قتل کروا دیا۔ جب امراء کو اس کا علم ہوا تو ایک یونانی خواجہ سرا نے (جو غلامی سے ترقی کر کے بڑا امیر بن گیا تھا) بغداد خاتون کو غسلخانہ میں مار ڈالا۔

بغداد سے جب سلطان ابو سعید کا شاہی کارواں (جو عام اصطلاح میں محلہ کہلاتا تھا) روانہ ہوا تو ابن بطوطہ نے بھی اس کے ساتھ دس دن تک سفر کیا اس کے بعد دس دن کا راستہ طے کر کے ایک امیر کے ہمراہ تبریز پہنچا، لوگ شہر کے باہر ایک مقام پر جو الشام کہلاتا تھا مسافر خانہ میں اترے یہاں روٹی، گوشت، بگھارے چاول اور مٹھائی سے ان کی تواضع کی گئی، دوسرے دن اس نے شہر کے غازان بازار کا گشت کیا، اس کو دنیا کے بہترین بازاروں میں تصور کرتا ہے جو ہریوں کی دوکانوں کو قیمتی زیورات سے معمور پایا، حسین غلام قیمتی ریشمی لباس پر کمر باندھے سوداگروں کے سامنے ترکی خواتین کو زیور دکھا رہے تھے، مال با افراط خرید ا جا رہا تھا، اس خرید فروخت

میں جھگڑا بھی ہوا، عنبر و مشک کے بازار میں بھی ایک ایسا ہی تلیخ تنازعہ دیکھنے میں آیا، وہ تبریز میں صرف ایک رات رہ سکا، اس لئے کہ امیر نے اس کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے حکم دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ شہر کے علمار سے ملاقات نہ کرسکا، امیر اس کو سلطان کے دربار میں لے گیا اور اور کہا. کہ ابن بطوطہ حجاز واپس جانا چاہتا ہے، سلطان نے حاجیوں کے افسر کارواں کے نام بغداد کے گورنر کے توسط سے احکام نافذ کئے کہ ابن بطوطہ کی روپے وغیرہ سے مدد کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ چونکہ کارواں کی روانگی کے لئے ابھی دو مہینے باقی تھے، اس لئے ابن بطوطہ چند اور لوگوں کے ساتھ اس اثنار میں موصل اور دیار بکر دیکھنے کی غرض سے روانہ ہوا۔

مسافر بغداد سے نکل کر دجلہ کی مشہور نہر دجیل پر ایک جگہ پہنچے، جس کو حربہ کہتے تھے۔

وہاں سے ایک قلعہ کو گئے جس کا نام المعشوق تھا، اس کے مقابل دریا کے مشرقی کنارے پر سامرہ (یا سر من رای کے کھنڈر واقع ہیں) ایک زمانہ میں بعہد المعتصم باللہ (۸۳۳ء ۸۴۲ء) بنی عباس کا دارالحکومت بجائے بغداد کے سامرہ میں منتقل کیا گیا، اس زمانہ میں وہاں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بڑی بڑی حویلیوں میں شاہی خاندان اور اس کے حواشی رہا کرتے تھے، تقریباً نصف صدی کے بعد بعہد المعتضد ۸۹۲ء ۹۰۲ء بغداد پھر دارالخلافہ بنا، ان سے گذر کر ایک دن کے بعد تکریت (مقام ولادت

سلطان صلاح الدین ایوبی، پہنچے، اس کے بازار اور مساجد بارونق پائے گئے۔ پھر العقر کے قصبہ اور اس کے بعد قصبات و مزارع کے سلسلہ میں ٹہرتے ہوتے ہوئے موصل پہنچے، راستہ میں قیر کی باولیاں ملیں، جیسا کہ کوفہ اور بصرہ کے پاس دیکھنے میں آئی تھیں،

موصل ایک قدیم اور خوش حال شہر تھا، اس کا قلعۃ الحدبار مضبوطی کے لئے مشہور تھا، اس کے بازو سلطان کے محلات تھے، شہر کے گرد دو مضبوط دیواریں تھیں، جن پر قریب قریب برج بنائے گئے تھے، دیواریں اتنی موٹی تھیں کہ ان کے ایک ایک بازو کے اندر ایک ایک کمرہ سلسلہ وار بنایا گیا تھا، صرف دہلی ہی کے شہر میں ایسا دیکھا گیا، شہر کے باہر مضافات میں حمام مسافر خانے اور بازار تھے، دجلہ کے کنارے جامع مسجد ہے نہایت خوبصورت، اور عالیشان، اس مسجد کے سامنے ایک بیمارستان تھا، شہر کے اندر بھی دو جامع مسجدیں تھیں موصل کا قیصریہ لوہے کے دروازوں کی ایک اچھی عمارت تھی؛

موصل سے ابن بطوطہ جزیرہ ابن عمر کو گیا، یہ شہر جزیرہ اس لئے کہلاتا تھا کہ دریا اس کے گرد گھومتا ہے، اس وقت شہر کا بڑا حصہ کھنڈر بنا پڑا تھا، اس کے باشندے خوش خلق اور مہمان نواز تھے وہاں سے کوہ جودی کا مطالعہ کیا، جہاں حضرت نوح ؑ کی کشتی آکر ٹھیری تھی جس کا ذکر کلام ربانی میں آیا ہے، دو دن کے سفر کے بعد قدیم شہر نصیبین میں پہنچا اس وقت وہ ویران ہو چلا تھا، تاہم اس کا عرق گلاب لاجواب تھا

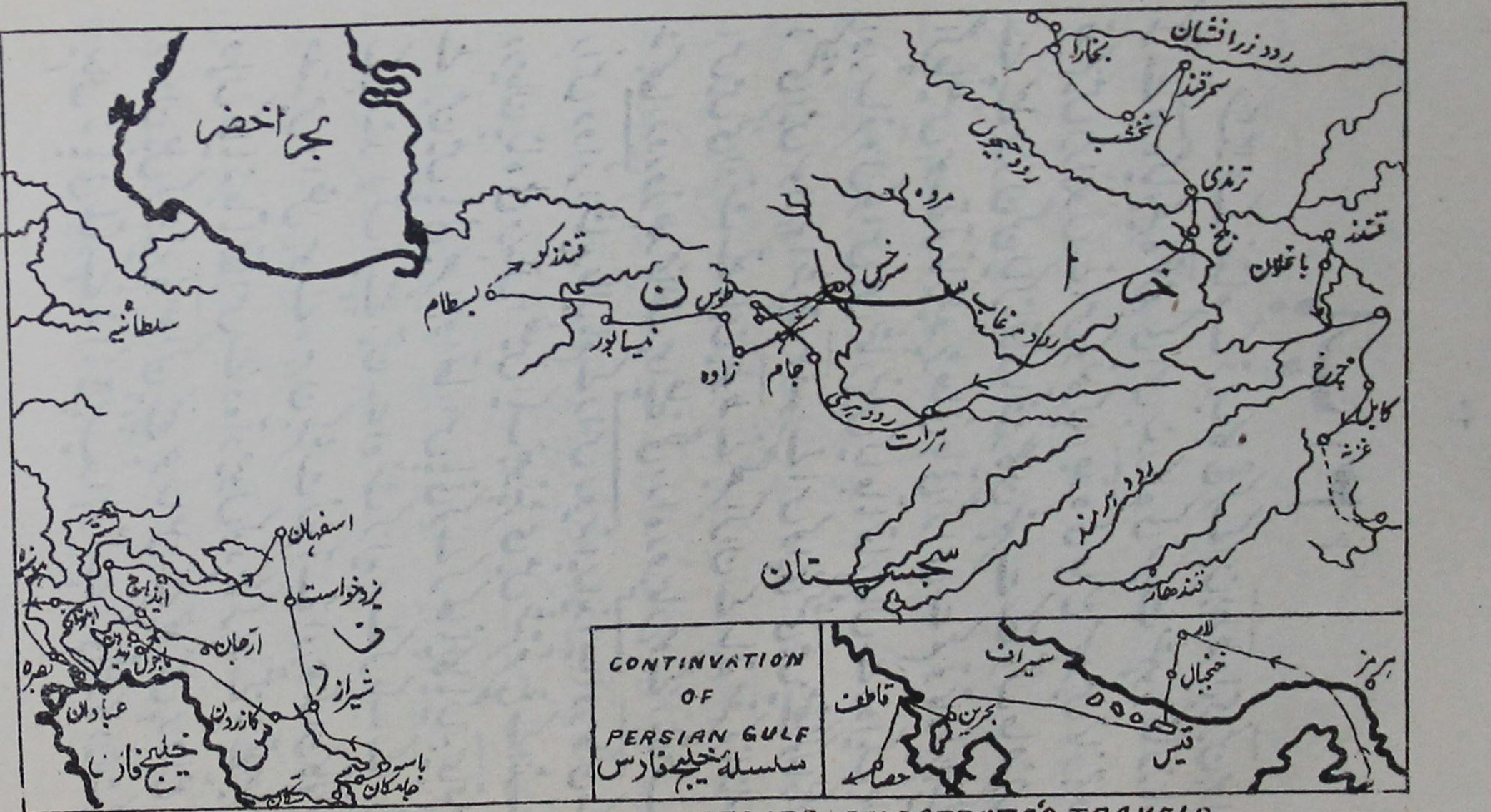
اس کے گرد پہاڑی چشموں سے نکل کر ایک ندی بہتی ہے جس کا پانی شہر کی گلیوں اور مکانوں میں سے گذرتا تھا، اس شہر میں ایک بیمارستان اور دو مدرسے تھے۔

یہاں سے ابن بطوطہ شہر سنجارہ گیا جو پہاڑوں کے دامن میں آباد تھا، (لیکن یہ کاتب تحفۃ النظار یا خود ابن بطوطہ کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اغلب گمان ہے کہ وہ یہاں سے اپنے واپسی کے سفر میں گیا) پھر دارا نامی شہر میں گیا، جو سلطنت روما کا سرحدی مقام تھا، جسٹینین نے (JUSTINIAN) اس کو قدیم ایرانیوں کی مدافعت کے لئے بنایا تھا، وہاں سے ماردین گیا، جہاں اسی نام کا اونی کپڑا تیار ہوتا تھا، ماردین ممالکِ اسلام کے خوبصورت اور مضبوط شہروں میں شمار کیا جاتا تھا، اس کا قلعہ ایک بڑے ہی اونچے پہاڑ پر واقع ہے اس وقت وہاں کا سلطان ملک الصالح بڑا ہی فیاض، قدر دانِ شعراء اور غربا نواز تھا، (سلجوق سلطانِ بغداد نے ۵۰۱ھ میں ماردین کو مشہور بہادر ایل غازی کے تفویض کیا جس نے صلیبی جنگجوؤں سے بڑی دلیری کے ساتھ جنگیں کی، اس کے جانشین تاریخ میں ارتقی کہلاتے ہیں شہر اور اس کے اطراف کا ملک اسی خاندان کے تصرف میں تیمور لنگ کے مرنے تک رہا۔ الملک الصالح اِس خاندان

کا بارھواں بادشاہ سنہ ۱۳۱۲ء تک حکمراں رہا۔

ابن بطوطہ یہاں سے حجاز کے کارواں میں شریک ہونے کے لئے بغداد واپس آیا شہر کے حاکم نے حسب فرمان سلطان اس کے آرام و آسایش کا انتظام کر دیا۔ سالارِ کارواں اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ کوفہ پہنچتے ہوئے وہ بیمار ہو گیا لیکن سفر جاری رکھا، اسی حالت میں مکہ معظمہ پہنچا اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا، نقاہت کی وجہ سے صفا و مروہ کے درمیان پاپیادہ نہ جاسکا مجبوراً امیر کے گھوڑے پر سوار ہو لیا، جب منیٰ پہنچا تو رو بہ صحت ہوا۔ بعد ختم حج سال بھر مکہ ہی میں رہا۔ اور بیشتر وقت عبادت و تلاوت میں صرف کیا۔ بعد کے سال یعنی سنہ ۱۳۲۸ء کے حج کے بعد بھی اور دو برس وہیں مقیم رہا۔

ابن بطوطہ کا سفر ایران



SKETCH MAP OF PERSIA TO ILLUSTRATE IBN BATTUTA'S TRAVELS

باب (۳)

سنہ ۱۳۳۰ء کے اختتام کے قریب کا حج کر کے ابنِ بطوطہ راہی یمن ہوا۔ مکہ سے جدہ گیا، بحیرۂ قلزم کی اِس بندرگاہ کی نسبت مشہور تھا کہ زمانۂ قدیم میں ایرانیوں نے اس کو تعمیر کیا، جدّہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے موذن گن لیا کرتا تھا کہ باشندگان شہر سے کتنے لوگ حاضر ہیں اگر چالیس ہوتے تو نماز جمعہ پڑھائی جاتی اگر اس سے کم تو نماز ظہر، اجنبیوں اور مسافروں کو اِس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا، یہاں سے وہ ایک جلبہ (کشتی) میں سوار ہوا شریف منصور نے اس کو اپنی کشتی میں بیٹھنے کو کہا لیکن اس میں کئی اونٹ تھے، ابن بطوطہ نے گھبرا کر ان کے ساتھ سفر کرنا مناسب نہ سمجھا، دو روز بعد مخالف ہوا چلنے لگی، راہ رو بیمار ہو گئے، بالآخر راس دوائر (شاید حالیہ نام کے راس ردیۂ) پر ایذاب اور سواکن کے درمیان پناہ ملی۔ یہاں انھیں ایک جھونپڑی میں شترمرغ کے انڈے ملے. جن میں پانی بھرا ہوا تھا، اس پانی کو لے کر کھانا پکایا گیا۔ بیجا قوم کے چند لوگ آ پہنچے. جن سے اونٹ کرایہ پر لے کر ملک کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے، ہرن بکثرت نظر آئے اور چونکہ ان کا گوشت وہاں کھایا نہ جاتا تھا اِس لئے وہ آدمیوں کو دیکھ کر بھاگتے نہ تھے، سیاح دو دن چل کر جزیرۂ سواکن پہنچے جو ساحل سے چھ میل پر واقع ہے، یہاں نہ پانی ملتا ہے نہ اناج پیدا ہوتا ہے، کسی قسم کا درخت بھی

نہیں ہوتا، کشتیوں کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا ہے، شتر مرغ، ہرن اور جنگلی گدھوں کا گوشت ملتا ہے، چھیلے بہت ہیں، دودھ اور مسکہ بھی دستیاب ہوتا ہے، جو مکہ بھیجا جاتا ہے،

سواکن سے جہاز پر سوار ہو کر ابن بطوطہ اور اس کے ہمسفر یمن کی طرف چلے، سمندر کے اس حصہ میں جا بجا چٹانیں ہیں اس لئے رات کو جہاز رانی نہیں ہوتی، کپتان ہر وقت جہاز کے سامنے کے حصہ پر کھڑا ہو کر ملاحوں کو ان چٹانوں سے بچ کر چلانے کے لئے ہدایات دیتا رہتا ہے چھ دن بعد حالی نامی شہر پہنچے، یہ بڑا اور آباد مقام تھا جسمیں دو عرب قبیلے رہتے تھے، اس کا سلطان نیک مزاج، تعلیم یافتہ اور شاعر بھی تھا، ابن بطوطہ نے اس کے ساتھ مکہ سے جدّہ تک سفر کیا تھا جب اس شہر میں اترا تو کئی دن تک سلطان نے اس کو اپنے یہاں مہمان رکھا، بعد کو اس کے جہاز میں سوار ہو کر شرجا پہنچا، جہاں بڑے مہماں نواز تاجر آباد تھے۔ یہاں صرف ایک رات ٹھیر کر دہ الا ہواب اور پھر زبید پہنچا، جو سلطان یمن کی سرمائی قیامگاہ تھی تعز اس کا گرمائی پایۂ تخت تھا، زبید یمن کے پایۂ تخت صنعا سے ایک سو بیس میل دور ہے، وسعت و تموّل میں یہ دوسرا شہر ہے، اس میں باغ اور میوہ مثلاً موز (کیلا)، وغیرہ نہروں کی وجہ سے بکثرت ہیں۔ لوگ خوش خلق، راست باز اور خوش وضع ہیں، عورتیں بہت حسین ہیں۔ خرما کے پکنے کے موسم میں ہر شنبہ کو باغوں میں نیچے بڑے مردوزن سب کے

سب جمع ہوتے ہیں، گاتے بجاتے اور خوشی مناتے ہیں، شہر کی عورتوں کو غیر ممالک کے مردوں سے شادی کرنے میں تامل نہیں، مگر وطن چھوڑنا نہیں چاہتیں، ابن بطوطہ یہاں سے نکل کر تعز گیا، لیکن وہاں کے باشندوں کو مغرور و متکبر پایا۔ (جیسا کہ عموماً ہر پایۂ تخت میں دیکھا جاتا ہے)، یمن کا سلطان رسولی خاندان نورالدین علی تھا، پنجشنبہ کو اس کا دربار مقرر تھا، حاضرین کے لئے لازم تھا کہ جھک کر انگشتِ شہادت سے زمین کو چھولیں پھر سر کو لگا کر کہیں "اللہ تعالی سلطان کو قایم و برقرار رکھیں"

ابن بطوطہ بھی اس دن قاضی کے ساتھ دربار میں داخل ہوا، سلام کر کے سُلطان کے سامنے بیٹھا، تو اس نے سیاح کے وطن اور سفر کے حالات دریافت کئے وزیر بھی وہاں موجود تھا، اس کو حکم دیا گیا کہ ابن بطوطہ کی اچھی مہمان داری کیجائے۔ کچھ دنوں بعد وہ صنعا گیا، ہندوستان اور حبش کی طرح یمن میں بھی بارش تمام سال میں صرف چند مہینہ ہوتی ہے مگر خوب شدت کی ہوتی ہے، صنعا کا ہر گھر اور گلی کوچہ پتھر کے فرش سے آراستہ تھا، بارش کا پانی فرش کی وجہ سے شہر کو بالکل دھو کر صاف کر دیتا تھا، صنعا سے وہ عدن گیا جو یمن کی بندرگاہ ہے اس کے گرد پہاڑ ہی پہاڑ ہیں، داخلہ کا صرف ایک ہی راستہ ہے، یہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوتی، نہ کوئی درخت ہے، پانی وہی ملتا ہے جو بارش کے زمانہ میں حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ گرمی کی شدت ہے، ہندوستان کی بندرگاہوں، کھمبائت، قولم، یعنی کویلون، کالی کٹ،

اور دیگر ملیباری مقاموں سے یہاں سامان سے لدے ہوئے جہاز آتے ہیں شہر میں ہندوستان اور مصر کے بھی تاجر رہتے ہیں، اِن میں بعض ایسے دولتمند تھے کہ بڑے سے بڑے جہاز کا سامان بھی بعض وقت ایک تاجر اکیلا خرید لیتا تھا، دولت و باہمی رقابت کے باوجود خدا ترس و منکسر المزاج اور فیاض تھے، زکوٰۃ بڑی پابندی سے ادا کرتے تھے،

عدن سے جہاز پر سوار ہو کر ابن بطوطہ چار دن کے سفر کے بعد بربرہ کے حبشیوں کے شہر زیلا کو گیا یہاں سے مقدشا تک دو مہینہ کا راستہ صحرا ہی صحرا ہے، زیلا اگرچہ ایک بڑا شہر اور اس کا بازار وسیع ہے لیکن مچھلیوں کی افراط اور ذبح کئے ہوئے اونٹوں کے خون کی وجہ سے انتہا درجہ کا غلیظ اور متعفن ہے - مسافروں نے باوجود سمندر کی طغیانی کے رات کو جہاز ہی پر ٹھیرنا مناسب سمجھا، پندرہ دن کے سفر کے بعد مقدشا پہنچے، جو بہت بڑا شہر تھا، اور جہاں تجار اپنے کھانے کے لئے روزانہ سیکڑوں اونٹ ذبح کرتے تھے، جب کبھی باہر سے کوئی جہاز اسکی بندرگاہ میں داخل ہوتا نوجوان باشندگان شہر چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر کھانے کے خوان لئے ہوئے پہنچتے، اور تاجروں کو ایک ایک اپنا مہمان بنا لیتا، ابن بطوطہ تاجر نہ ہونے کی وجہ سے قاضی شہر کا مہمان بنا لیا گیا، اِس نواح کا سلطان شیخ کہلاتا تھا، اسوقت ابوبکر نام کا بربر قوم سے ایک شخص سلطان تھا، اس نے ہو قت حضوری دربار ابن بطوطہ کی پان سپاری سے تواضع کی اور طالب علموں کے مکان

میں بحیثیت مہمان شاہی اس کو ٹھیرایا تین دن کے بعد جمعہ کے روز سلطان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی گئی، یہاں سے اس نے سواحل کی سرزمین کا عزم سفر کیا تاکہ زنج (زنگیوں) کے علاقہ میں کلوا کا شہر جاکر دیکھے، دو دن کے بعد وہ ممباسہ کے جزیرہ پر پہنچا۔ اس جزیرہ میں میوہ وغیرہ کے درخت تھے۔ مگر اناج کی قسم سے کوئی کاشت نہ تھی۔ ایک تاجر نے اس سے کہا کہ کلوا سے سفالا کا شہر جنوب میں چودہ دن کی مسافت پر ہے اور وہاں سے ایک مہینہ کے سفر کے بعد لیمی قوم کا ملک آتا ہے جس کے یوفی نامی ایک مقام سے وہاں کے باشندے سونا لاکر بیچتے ہیں، کلوا بڑا شہر تھا، اسکی تمام عمارتیں لکڑی کی تھیں، اسوقت وہاں کا سلطان ابو المظفر حسن بڑا نیک اور فیاض تھا، کافر زنگیوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہتا تھا، جب یہ فیاض سلطان مرگیا، تو اس کا بھائی داؤد جو بڑا بخیل تھا تخت نشین ہوا سیاح کلوا سے ظفاری پہنچے جو یمن کا آخری کنارہ ہے یہاں سے اچھی نسل کے گھوڑے ہندوستان بھیجے جاتے ہیں۔ اس شہر کے باشندوں اور (مقام تعجب ہے) جانوروں، مویشیوں، کی خوراک بھی سارڈین کے قسم کی مچھلی تھی، بازار میں لونڈیاں ہی سامان بیچتی تھیں، ان کا لباس بالکل سیاہ تھا اناج کی کاشت ہوتی تھی لیکن نہایت عمیق باولیوں کے پانی سے، اس جگہ کے باشندے اطوار و عادات میں شمال مغربی افریقہ کی اقوام کے مماثل تھے، شہر کے پاس میوے کے باغ تھے جن میں موز (کیلہ) بکثرت تھے۔ پان اور ناریل کی بھی کاشت ہوتی تھی پان سپاری کا ہندوستان

کی طرح بہت استعمال تھا اس کا عطیہ بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ناریل کے دودھ سے شہد اور شکر بھی بناتے ہیں اسکا تیل کھانے اور چراغ جلانے کے کام میں آتا ہے۔ عورتیں اپنے سر کے بالوں میں بھی یہ تیل استعمال کرتی ہیں۔

مسیرا کے ایک شخص کے چھوٹے سے جہاز میں بیٹھ کر ابن بطوطہ اور دیگر مسافر راہی عمان ہوے دوسرے دن کوریا مور کے جزائر میں سے ایک جزیرہ ہاسک پر جا پہنچے جس کے باشندے سب ماہی گیر تھے، یہاں لوبان کے بہت درخت ہیں جن کے پتے پتے ہوتے ہیں۔ جب ان میں شگاف کیا جاتا ہے تو دودھ ٹپکتا ہے جو گوند کی طرح جم کر لوبان بن جاتا ہے، لخام نامی مچھلی ان کی غذا تھی، اس کو چیر کر گوشت ہڈی سے جدا کر لیا جاتا ہے اور دھوپ میں سکھایا جاتا ہے، مچھلی کی ہڈیوں سے مکان بنائے جاتے ہیں۔ اور ان پر اونٹ کا چمڑا بطور چھت کے چسپاں کر دیا جاتا ہے، چھ روز بعد ایک جزیرہ پر پہنچے جہاں پرندے ہی پرند نظر آتے تھے ملاحوں نے ان کے انڈے اور بچے پکا کر کھائے ابن بطوطہ نے صرف مچھلی کھا کر پیٹ بھرا، اس لئے کہ ملاح پرندوں کو ذبح کر کے نہ پکاتے تھے، جہاز ہی پر عید الضحیٰ منائی گئی خشکی پر جانا نہ ہو سکا سمندر متلاطم تھا اور سامنے ہی ایک جہاز ڈوب گیا اور صرف ایک شخص بڑی مشکل سے جان بچا سکا۔

مسیرا ے ایک دن اور ایک رات سفر کر کے سور پہنچے جہاں سے قلہات کا شہر پہاڑ کے پیچھے نظر آتا تھا ابن بطوطہ کو اس شہر کے دیکھنے کی خواہش ہوئی، خضر نامی ایک ہندوستانی بھی اس کے ساتھ ہو لیا، جو شخص رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا، بدنیت ثابت ہوا جس کی وجہ سے ابن بطوطہ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی، چلتے چلتے پاؤں ورم کر گئے، آخر حاکم شہر نے اس کو اپنے یہاں ٹھیرایا، قلہات کی مسجد بڑی شاندار اور مرتفع مقام پر بنائی گئی ہے اس کی دیواریں قاشانی کام سے آراستہ ہیں، یہاں چاول کے ساتھ جو ہندوستان سے لایا جاتا ہے مچھلی پکا کر کھاتے ہیں، مچھلی بہت ہی لذیذ تھی، پھر وہ چھ دن کے سفر کے بعد عمان پہنچے جو بہت شاداب اور ہمہ قسم کے میووں اور درختوں سے معمور تھا، اس کا پایہ تخت نزوا ایک پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ بازار نہایت پاک و صاف تھا اور مسجدیں نہایت خوش نما تھیں، ملک کے باشندے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر اپنا اپنا کھانا لا کر کھاتے تھے اگر کوئی مسافر آ گیا تو اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔ بڑے بہادر اور جنگجو تھے، عمان کا سلطان ابو محمد نامی ازدی قبیلہ سے تھا، ساحل کے کنارے کے اکثر شہر ہرمز کی حکومت میں تھے، ابن بطوطہ یہاں بھی پہنچا، وہ ایک ساحلی شہر تھا جو مغستان بھی کہلاتا تھا، جدید ہرمز سمندر کا ایک جزیرہ اس کے سامنے نو میلی پر واقع ہے، اس کی بندرگاہ بازاروں سے بھری تھی، ہندوستان خصوصاً سندھ سے لایا ہوا سامان عراقین، فارس، اور خراسان بھیجا جاتا تھا۔

لوگ کھجور اور مچھلی کھا کر پلتے ہیں، اور کہتے ہیں "خرما و ماہی لوت بادشاہی" بادیوں اور مصنوعی تالابوں سے پانی حاصل کیا جاتا ہے، سقا مشکوں میں بھر کر لاتے ہیں، جامع مسجد کے دروازہ پر مچھلی کا سر اتنا بڑا نصب تھا کہ لوگ اس کی ایک آنکھ کے حلقہ سے اندر آتے اور دوسرے سے باہر جاتے تھے، ہرمز کا سلطان قطب الدین تہمتن بڑا ہی فیاض اور منکسر المزاج آدمی تھا اس وقت اپنے باغی بھتیجوں سے جنگ کر رہا تھا، جب ابن بطوطہ اور اس کے ساتھ کے مسافر وزیر کے ساتھ سلطان کے قصر میں سلام کے لئے حاضر ہوئے تو سلطان کو ایک بوڑھا آدمی بالکل معمولی لباس پہنے اور عمامہ باندھے پایا۔

ایک بزرگ کی ملاقات کی غرض سے ابن بطوطہ ہرمز سے خنجبال کے ایک شہر کو گیا، یہاں ترکمانوں کی آبادی تھی ان کی رہنمائی کے بغیر سفر ناممکن تھا، راستہ میں چار دن کی مسافت کا ایک صحرا حائل تھا جس میں عرب ڈاکوؤں اور باد سموم کی شدت کی وجہ سے جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی تھی ان صحراؤں سے گذر کر وہ خورستان گیا جو بہت گرم مقام تھا، یہاں ابن بطوطہ یا اس کے کاتب کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ خورستان شیراز سے تقریباً پچاس میل جنوب مشرق کی طرف واقع ہے اگر وہ وہاں سے گذرا تو غالباً ۱۳۴۷ء میں ہندوستان سے واپسی کے وقت ہی گذرا ہوگا۔ خورستان کا دوسرا نام سردستان ہے، یہاں بہتے پانی اور میوہ کے باغات کی افراط ہے۔ اس کے بعد لار نامی شہر میں پہنچا، اور درویشوں کی خانقاہ

میں ٹھیرا اِس جگہ کا سلطان ایک ترکمان تھا، ..... جس نے عام دستور کے مطابق از راہِ کرم اس کے پاس کچھ تحفہ بھیجا،

یہاں سے نکل کر سیدھا خنجبال پہنچا جو مشہور بزرگ شیخ ابودلف کی قیامگاہ تھی، ان سے شرفِ ملاقات حاصل کرکے قیس کو گیا جسے سیراف بھی کہتے ہیں (یہاں بھی ابنِ بطوطہ کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، سیراف کی قدیم بندرگاہ جو کسی زمانہ میں خلیج فارس کی آمد و رفت کا دروازہ تھی حالیہ طہیری (TAHIRI) کے قریب واقع ہے قیس یا کیش اس سے کوئی ستر میل جنوب میں ایک جزیرہ ہے۔ جس کا ذکر شیخ سعدی نے گلستاں کی ایک حکایت میں کیا ہے) بارھویں صدی عیسوی میں کیش نے سیراف سے خلیج کی آمد و رفت کا راستہ چھین لیا تھا ۱۳۰۰ء میں کیش کی جگہ شہر ہرمز آمد و رفت کا مقام بنا جو بندرعباس کے جنوب مشرق میں واقع ہے ۱۵۱۲ء میں پرتگالیوں نے ہرمز پر اپنا قبضہ جمایا، لیکن ۱۶۲۲ء میں انگریزوں کی مدد سے ایرانیوں نے اس کو پرتگالیوں سے واپس چھین لیا، بالآخر سترھویں صدی میں خود بندرگاہ عباس کا شہر ہرمز کی جگہ خلیج فارس کی بندرگاہ بن گیا) سیراف کے باشندے ایرانی تھے، سیراف اور بحرین کے مابین خلیج کا ایک ساکن حصہ ہے جہاں اپریل اور مئی کے مہینوں میں موتی کے سوداگر کشتیوں میں جمع ہوتے ہیں عرب غوطہ زن پانی میں سانس روک کر اترتے ہیں، اور خلیج کی تہ سے سیپیاں نکال لاتے ہیں، باہر لانے کے بعد ان سیپیوں کو کھول کر خشک ہونے دیتے ہیں، تو اُن میں سے موتی برآمد ہوتے ہیں غوطہ زن مختلف

مدت تک بیک وقت پانی کے اندر سانس روک کر رہ سکتے ہیں، جب تھک جاتے ہیں تو کمر سے بندھی ہوئی رسی کو ہلاتے ہیں، کشتی والے ان کو اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ غوطہ زن اکثر و بیشتر ان سوداگروں کے مقروض ہوتے ہیں ان کی پرورش کا یہی ذریعہ ہے، سیراف سے ابن بطوطہ بحرین کے خوشنما وسیع اور شاداب شہر کو گیا، کہتا ہے کہ اگر وہاں کہیں ساحل کے قریب ہاتھ سے ذرا سا کھودا جائے تو آب شیریں نکل آتا ہے، دھوپ اور ریت کی کثرت ہے وہاں سے وہ قطیف گیا، پھر ہجر یا (الحصار) یہاں کھجوروں کی افراط ہے، پھر شہر یمامہ میں پہنچا، اس کے حاکم کی رفاقت میں حج کی غرض سے ۱۳۳۲ء میں مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ اس سال سلطان مصر ملک الناصر نے اپنا آخری حج کیا، کہتے ہیں کہ الناصر کا بیٹا امیر احمد اور ساقی بک تیمور اس کے قتل کی سازش کر رہے تھے، جب سلطان کو اس کا علم ہوا تو دونوں کو قتل کروا دیا۔

باب (۴)

حج سے فارغ ہو کر ابن بطوطہ جدّہ گیا، تا کہ جہاز پر یمن اور ہندوستان کا سفر کرے لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا، اس لئے مجبوراً جدّہ ہی میں چالیس دِن ٹھیرا رہا۔ ایک جہاز قصیر جانے والا تیار تھا، لیکن اُسکی حالت مخدوش دیکھ کر اس پر سفر کرنا مناسب نہ سمجھا، بعد کو اطلاع ملی کہ یہ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا، اور بہت کم مسافر ڈوبنے سے بچ رہے بالآخر ایذاب جانے کے ارادہ سے نکلا، مگر مخالف ہوا جہاز کو راس دوائر کی طرف لے گئی۔ وہاں سے وہ بجا قوم کے چند لوگوں کے ساتھ ایذاب کے صحراؤں میں سے گذرا، پھر ایدفو ہوتے ہوئے وہ اور اس کے ہم سفر دریائے نیل کے راستہ قاہرہ پہنچے وہاں چند روز ٹھیر کر راہی شام ہوئے، اور بار دیگر غازہ، ہیبرون، یروشلم، رملہ، عکہ، طرابلس اور جبلہ ہوتے ہوئے لاذقیہ پہنچے۔ لاذقیہ سے جے نو آر (GENOA) کے ایک جہاز پر سوار ہو کر بلادِ روم (اناطولیہ) کی طرف روانہ ہوئے جس کا بیشتر حصّہ ان دنوں مسلمان ترکوں کے قبضہ میں آچکا تھا جہاز کا مالک ایک عیسائی مرتلمین نامی اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا، دس راتیں سمندر ہی کے سفر میں کٹیں، مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا، یہاں تک کہ ان سے کرایہ نہیں لیا گیا،

بالآخر علائیہ میں آ پہنچے جہاں سے مسلمانوں کی یہ نئی سلطنت شروع

ہوتی تھی، ملک بہت خوش منظر لوگ خوش خوراک وخوش پوشاک تھے، عورتیں بے نقاب پھرتی تھیں۔ علاء الدین کیقباد اول ۱۲۱۹ء سے ۱۲۳۷ء نے جو روم کے سلجوقی سلاطین میں بڑا نامور بادشاہ گذرا ہے علائیہ کی بندرگاہ تعمیر کرائی تھی۔ یہاں جنگل بہت ہیں۔ قاہرہ اسکندریہ اور شام کے تاجر لکڑی خریدنے آیا کرتے تھے، شہر کے ایک مرتفع کنارے پر اس سلطان کا بنایا ہوا ایک عالیشان اور مضبوط قلعہ ہے۔ اسوقت شہر کا حکمراں یوسف بک ابن قرمان تھا، ابن بطوطہ قاضی شہر کے ساتھ اس کے سلام کے لئے گیا، وہ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور واپسی کے وقت سفر خرچ کے روپے بھی عنایت فرمائے۔

علائیہ سے وہ انطاکیہ (حال اوالیہ) گیا، شہر کو بہت وسیع اور خوش منظر پایا۔ آبادی بھی کثیر تھی، ہر ملت کے لوگوں کے لئے شہر کا ایک حصّہ مخصوص تھا، عیسائی تجّار کا محلہ مینا کہلاتا تھا، اس شہر میں پہلے تو یونانی (بازنطائنی) آباد تھے، مسلمانوں کے تسلط کے بعد شہر کے ایک علیحدہ محلہ میں جا بسے۔ اسی طرح یہودی بھی، بادشاہ اور اُسکے درباری مملوک شہر کے ایک خاص حصّہ میں مقیم تھے، عام مسلمانوں کی سکونت وسط شہر میں تھی، باغ بکثرت تھے، قمر الدین نام ایک میوہ از قسم آلو بخارہ بہت مزیدار تھا، مصر کو بڑی مقدار میں بھیجا جاتا تھا، (اس شہر کا لیموں مصر میں اب بھی اوالیہ کے نام سے مشہور ہے،) ابن بطوطہ شیخ شہاب الدین الحموی کے مدرسہ میں

مہمان رہا۔ اس زمانہ میں اناطولیہ کے ہر شہر میں اخوان کے نام سے مسلمان ترکوں کی ایک جماعت بڑی منظم حالت میں قایم تھی مسافروں کی خبرگیری ان ہی کے سپرد تھی اس کا دوسرا نام فتیان تھا ہر شخص اپنی کمائی اپنے سرگروہ کے حوالہ کرتا تھا، وہ اس کو ضروری قومی و معاشری کاروبار پر صرف کرتے تھے۔ مسافروں اور حاجتمندوں کی ضروریات کی فراہمی اسی گنجایش سے کی جاتی تھی۔ انطاکیہ کی مہمانداری ایک نوجوان ترک کے تفویض ہوئی جو پیشہ کے لحاظ سے پنبہ دوز تھا، مگر بڑا ہی فراغدل اور بلند حوصلہ تھا، مہمان سرایا خانقاہ ترکی شالوں اور عراقی شیشہ کی قندیلوں سے آراستہ تھے۔ ابن بطوطہ کی پر تکلف ضیافت کی گئی، موسیقی کا بھی بطور خاص انتظام تھا،۔

پھر وہ بردور ہوتا ہوا افریدور پہنچا، یہاں کا سلطان بہت راست باز اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھا، اسی زمانہ میں اس کا ایک لڑکا مر گیا، سلطان اور مدرسہ کے طلباء کے ساتھ ابن بطوطہ بھی اس لڑکے کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، اس کو پاپیادہ دیکھ کر سلطان نے اس کے لئے ایک گھوڑا اور ملبوسات کافی نقد رقم کے ساتھ بطور عطیہ روانہ کیا، یہاں سے وہ قل حصار (یعنی تالاب والا قلعہ) دیکھنے گیا، وہاں جانے کا ایک ہی راستہ تھا، بوقتِ واحد صرف ایک شخص گھوڑے پر سوار جا سکتا تھا، اس شہر کا حاکم افریدور کے سلطان کا بھائی تھا، اس نے ابن بطوطہ کے ساتھ چند سواروں کا محافظ دستہ متعین کیا تاکہ لاذق تک۔

اس کو بے خوف و خطر پہنچا دے۔ شہر لاذق میں سات جامع مسجدیں تھیں، اس
کا رومی کا بنا ہوا سادہ اور سنہری قور کا کپڑا بہت دیرپا اور خوش وضع
تھا کپڑا بننے والی عورتیں اکثر یونانی تھیں، جو ادائی جزیہ مسلمانوں کی محافظت
میں رہتی تھیں اس شہر میں بھی وہ ایک اخی کا مہمان تھا، لاذق میں کچھ
دنوں ٹھیر کر ایک کارواں کے ساتھ قلعہ تواس (TAWAS) کے
پاس پہنچا، رات کو قلعہ کا دروازہ بند تھا، صبح بڑی احتیاط سے کھولا گیا،
اور مسافر اس میں داخل ہو سکے، وہاں سے نکل کر وہ مغلا کھر ملاس پہنچے
آخر الذکر شہر کے مسافر خانہ میں وہاں کے سرگروہ افغان یا فتیان نے
مسافروں کی اور بھی زیادہ پر تکلف دعوت کی۔ اس جگہ کا سلطان بڑا ہی
اچھا حاکم تھا، اور علما دین سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، حسب عمل درآمد
سلطان سے انعام و اکرام حاصل کر کے ابن بطوطہ قونیہ گیا، یہ ایک بڑا
شہر ہے۔ اس کی عمارتیں شاندار باغوں اور نہروں سے آراستہ ہیں۔
سڑکیں بہت ہی کشادہ اور بازار بڑی باقاعدگی سے ترتیب دیئے گئے
ہیں، عام طور پر مشہور ہے۔ کہ اسکندر اعظم نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ اس
وقت وہ سلطان الدین ابن قرمان کے ممالک میں شامل تھا، لیکن بعض
اوقات بادشاہ عراق بھی (جس کا ملک متصل تھا) اس پر قابض ہوا تھا،
ابن بطوطہ فتوہ کے ایک رکن ابن قلم شاہ نامی قاضی کی سرا میں ٹھیرا،
فتیان اپنا سلسلہ حضرت علی رضہ سے ملاتے ہیں۔ انکا امتیازی لباس ایک
خاص قسم کا پاجامہ تھا، جیسا کہ صوفیوں کا عبائے صد پیوند، اس سرا

میں ابن بطوطہ اور اس کے ساتھ دوسرے مسافروں کی سابقہ سراؤں سے بھی زیادہ مہماں نوازی کی گئی۔ قاضی نے خود اپنے لڑکے کو مہمانوں کے غسل کے لئے حمام بھجوایا، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فتوہ کی تحریک نے خاندان بنی عباس کے ۳۴ ویں خلیفہ الناصر باللہ (۱۱۸۰ء تا ۱۲۲۵ء) کے عہد میں زور پکڑا، خود الناصر نے ۱۱۸۲ء میں اس کی سرپرستی قبول کی، اور اس کا امتیازی لباس پہنا۔ بعض عیسائی مورخین کا یہ خیال کہ فتوہ کی تحریک عیسائی طریقہ شیولری (CHIVALRY) کی تقلید ہے۔ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا، کہ مغربی یورپ میں شیولری کی اہمیت صلیبی جنگوں کے بعد ہوئی۔ جبکہ ان کے حکمرانوں نے بلاد اسلام سے شکست کھا کر واپس ہونے کے بعد اپنے ہم وطنوں کو اسلامی تمدن و معاشرت کی بے شمار مفید باتیں سکھائیں،

شہر میں شیخ جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ ہے، آپ اس وقت بھی مولینا کے لقب سے مشہور تھے، جلالیہ یا مولویہ فرقہ کا اناطولیہ میں بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ مولینا کی نسبت ابن بطوطہ اس وقت کی مشہور روایت اس طرح بیان کرتا ہے کہ اوائل عمر میں وہ ایک بلند مرتبہ مذہبی عالم اور استاد تھے ایک دن مسجد کی درسگاہ میں شمس تبریز مٹھائی لئے ہوئے آپہنچے اور تھوڑی سی مٹھائی مولینا کو دے کر وہاں سے چل نکلے۔ مولینا درس چھوڑ کر ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر مختلف شہروں میں گھومتے پھرے، آخر کار جب قونیہ واپس

آئے تو والہانہ فارسی اشعار کہتے جاتے تھے، مریدوں اور شاگردوں نے اِن اشعار کو فراہم کیا، یہی ان کی مشہور و معروف مثنوی ہے ہر پنجشنبہ کی شب کو مولویوں کے تکیہ میں اس کی قرأت ہوتی ہے، لوگ سُن کر وجد کرتے ہیں اور دیر تک مراقبہ میں رہتے ہیں، مولانا رومؒ کا ورود قونیہ میں سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد اوّل کے عہد میں ہوا جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے، مولانا کی وفات کی تاریخ ۱۲۷۳ء ہے،

قونیہ سے نکل کر ابن بطوطہ لارندہ (حال کرمان) کی طرف روانہ ہوا۔ سُلطان شکار سے واپس ہو رہا تھا، اس کو دیکھ کر ابن بطوطہ گھوڑے سے اتر پڑا اور سلام کیا، سلطان بھی اپنے کریمانہ اخلاق کے بموجب گھوڑے سے اُترا اور ابن بطوطہ سے ملاقات کی۔ اس کو لے کر شہر میں داخل ہوا اور اس کی بڑی خاطر تواضع کی۔ اس کے بعد ابن بطوطہ عراق کے بادشاہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ پہلے آق سرا گیا، جہاں بکرے کے بالوں سے قالین تیار کئے جاتے تھے، ہندوستان، چین اور بلادِ ترک میں اُنکی بڑی مانگ تھی، وہاں سے وہ نقدہ پھر قیساریہ گیا، آخر الذکر شہر میں نایب بادشاہ کی ایک خاتون (جو خود بادشاہ کی رشتہ دار تھی) رہتی تھی، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے ان کی اچھی مہمانداری کی وہاں سے یہ لوگ نایب بادشاہ علاء الدین ارتنہ کے مستقر سیواس پہنچے، علاء الدین نے ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا، اور جب وہ سیواس سے روانہ ہوئے تو ذیلی حکام کو انکی سربراہی وغیرہ سے

متعلق احکام جاری کیے۔ اِس طرح انہوں نے اماسیہ کپیتن جس کے چاندی کے معاون کی خاطر عراق اور شام کے تجار اکثر وہاں جایا کرتے تھے) ازرنجان (جہاں ارمنی بکثرت رہتے تھے)، اور ارضِ روم کی سیاحت کی، دو ترکمان قوموں کے باہمی جنگ کی وجہ سے ارضِ روم اس وقت ویران ہو گیا تھا، ابنِ بطوطہ یہاں ایک اخی تومان بک کا مہمان بنایا گیا، جس کی نسبت مشہور تھا کہ ایک سو تیس برس کی عمر کا تھا عصا کی مدد سے اب بھی وہ پیادہ پا پھرا کرتا تھا، اور پنجوقتہ نماز بڑی پابندی سے پڑھتا تھا،

سفرنامہ کے بیان کے بموجب ابنِ بطوطہ یہاں سے اناطولیہ کے مغربی کنارہ کے قریب وادیِ کیستر کے شہر برجی (قدیم فیرجیون) کو گیا، (غالباً وہ ارضِ روم جانے سے پہلے ہی قونیہ سے اس طرف پلٹ گیا ہوگا)، برجی میں محی الدین نامی ایک مشہور عالم رہتے تھے، مدرسہ میں ان کی تیامگاہ باغ اور نہروں سے آراستہ تھی۔ ابنِ بطوطہ ان سے ملنے گیا تو بڑی تواضع کی اور موقع کے لحاظ سے اس کی سکونت کے لئے ایک خرگاہ (لکڑی کے ستونوں پر نمدے کا بنا ہوا گنبد کی وضع کا بنا ہوا خیمہ) روانہ کیا، اس نواح کا سلطان اسوقت ایک پہاڑی مقام پر ٹھیرا ہوا تھا، محی الدین اور ابنِ بطوطہ سلطان کی فرمایش پر کئی بار اس سے ملنے گئے وہ بھی ایک مرتبہ اِن کی ملاقات کو آیا، کچھ دنوں بعد دونوں سلطان کی ہمراہی میں سلطان کے شہری ایوان کو گئے، شربت اور بسکٹ کی تواضع کے بعد سلطان نے ابنِ بطوطہ سے اچانک دریافت کیا کہ

آیا اس نے کبھی "پتھر" دیکھا جو آسمان سے گرا، اس نے کہا ایسا پتھر نہ کبھی دیکھا نہ سُنا، سلطان نے فرمایا ہمارے شہر کے باہر ایک ایسا پتھر گرا اور میں تم کو دکھانا چاہتا ہوں، "پتھر" سامنے لایا گیا تو اندازاً کوئی ایک سو بارہ پونڈ وزنی تھا، سیاہ اور چمکدار، سُلطان کے حکم سے چند پتھر پھوڑنے والے بلائے گئے اور اُن میں سے چار نے لوہے کے ہتوڑوں سے پتھر کو توڑنے کی کوشش کی زور زور سے کئی ضربیں لگائی گئیں مگر کچھ اثر نہ ہوا ابنِ بطوطہ حیران رہ گیا، بالآخر "پتھر" واپس بھجوادیا، ابنِ بطوطہ اسی طرح محل شاہی میں کوئی چودہ دن رہا۔ ہر شب اس کے لئے کھانا، میوہ، مٹھائی، اور موم بتیاں بھیجی جاتی تھیں، جاتے وقت سلطان نے اس کو ایک سو اشرفی خلعتِ فاخرہ اور مائیکل نامی ایک غلام عطا کیا، اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح مناسب اور موزوں انعام واکرام دے کر رخصت کیا، کہتا ہے یہ سب مدرسہ کے اُستاد محی الدین کی سفارش کا نتیجہ تھا، اور اُن کے لئے دُعا کرتا ہے،

برگی سے نکل کر ابنِ بطوطہ اور اس کے ہمراہی تیرا ہوتے ہوئے ایا سلوق (قدیم افسیس) کو گئے جو یونانیوں کا مقدس شہر تھا، اور اب

نوٹ: منجانب راقم الحروف آسمان سے پتھر گرنے کا جو ذکر اُوپر آیا ہے وہ یقیناً شہابی لوہے کا ٹکڑا ہوگا، اس لئے کہ ہتوڑوں سے مارنے پر بھی وہ نہیں ٹوٹا، شہابی پتھر اور لوہا کبھی کبھی آسمان سے گرتا نظر آتا ہے۔ خالص فلزی مادہ (لوہے اور نکل کی ساخت کا، زمین کے ابتدائی دور میں بکثرت گرا ہے۔ ظن غالب ہے کہ انسان پہلے یہی لوہا استعمال

برجی کے سلطان کے علاقہ میں شامل تھا، اِس میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی عالیشان عمارت تھی، شہر کی جامع مسجد بھی کسی زمانہ میں عیسائیوں کی عبادت گاہ تھی، اب دنیا کی خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتی ہے ابنِ بطوطہ نے اِس شہر میں چالیس دینار دے کر ایک یونانی کنیز خریدی پھر وہ ازمیر (SMYRNA) پہنچا، جو صلیبیوں کی دست برد سے ویران ہو چکا تھا، شہر کے حاکم

میں لایا، تزک جہانگیری میں جالندھر کے ایک قصبہ میں اس قسم کا واقعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے بتاریخ ۳۰ فروردی سنہ ۱۶ ف مطابق ۱۰ اپریل ۱۶۲۱ء سنہ ۶ جہانگیر نے اس کی تاریخ "شعلہ برق بادشاہی" کہی، اس کے حکم سے شہابیہ کے ساتھ کچھ لوہا ملاکر دو تلواریں موسوم بہ "شمشیر قاطع" و "برق سرشت" ایک خنجر اور ایک چاقو یا چھرا بنائے گئے .بیدل خاں شاعر نے نظم کہی۔

از شاہ جہاں گیر جہاں یافت نظام ∴ افتاد بعہد او ز برق آہن خام
زاں آہن شد بحکم عالم گیرش ∴ یک خنجر و کارد با دو شمشیر تمام

افسوس کہ انڈیا آفس سے بھی ان تلواروں کا کہیں پتہ نہ چل سکا، ترکی سلاطین مظاہر قدرت کا بڑی تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے، ابن بطوطہ نے خود چودھویں صدی عیسوی کے جس شہابی لوہے کا ذکر کیا ہے غالباً اس سے بھی ایسی تلواریں بنائی گئی ہوں گی۔ جامعہ موسکو کی رصدگاہ کے ایک ماہر علم ہیئت نے راقم کو اپنے ایک خط مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۲۷ء میں لکھا تھا کہ شہابی لوہے کا بنایا ہوا

(عمر فرزند سلطان آیدین) نے اس کی تواضع کی انعام میں ایک نوجوان یونانی غلام نکولس نامی عطا کیا، اسوقت عمر عیسائیوں سے برسرِ پیکار تھا اس کے جنگی جہاز قسطنطنیہ کے قریب تک لڑتے ہوئے جاتے تھے، پاپائے روم کی درخواست پر جے نوآ (GENOA) اور فرانس کے عیسائیوں نے زمیر کی بندرگاہ پر چڑھائی کی، عمر جنگ میں شہید ہو گیا۔ شہر عیسائیوں کے ہاتھ آیا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ (عیسائیوں نے ازمیر سنہ ۱۳۴۴ء میں ابن بطوطہ کے سفر کے کئی سال بعد فتح کیا۔) ابن بطوطہ پھر مغنیشیہ گیا اور نماز عید الضحیٰ سلطان سروخاں کے ساتھ پڑھی۔ یہاں اسکے ایک ہمراہی کا غلام گھوڑا لے کر بھاگ گیا، لیکن بعد کو گرفتار کر لیا گیا، پھر برغمہ کے ویران شہر میں سے ہوتے ہوئے بلکسری پہنچے جس کا سلطان دمور خاں ایک نامعقول آدمی تھا، یہاں بھی ابن بطوطہ نے ایک یونانی لونڈی "ارگیوریٹ" نامی خریدی۔

پھر بروسہ گیا، جس کے دو قدرتی گرم پانی کے چشمے بیماروں کے علاج

ایک ترکی تیغہ لوموسوف کے عجائب خانہ میں موجود ہے، جس کی ابتدائی تاریخ کا ابھی پتہ نہیں چلا۔ راقم نے لندن کے مشہور رسالہ سائنس نیچر کی اشاعت مورخہ ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء میں ابن بطوطہ کے اس بیان کی طرف اہل علم کو متوجہ کرا کر لوموسوف کے عجائب خانہ کے تیغہ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، آکسفورڈ کی مشہور لائبریری بوڈلائن (BODLEIAN) میں تاریخ جرجان (مصنفہ حمزہ السہمی تاریخ تصنیف سنہ ۴۰۸ھ تاریخ وفات سنہ ۴۲۷ھ) سے متعلق ایک مخطوطہ (FOL 373-387)

کیلئے مشہور تھے، یہاں دو حمام بنا دیئے گئے تھے ایک عورتوں کے لئے دوسرا مردوں کے لئے، بروکسہ میں ابن بطوطہ نے شیخ عبداللہ نامی مصر کے ایک مشہور عابد سے ملاقات کی، جس نے تمام بلاد اسلام کا (باستثناء چین، لنکا، اسپین، اور مغربی افریقہ کے سیاہ اقوام کے ممالک) سفر کیا تھا، ابن بطوطہ نے بعد کو ان ممالک کی بھی سیاحت کی، اس لئے کہتا ہے کہ وہ بالآخر اس مشہور مصری سیاح پر سبقت لے گیا، بروسہ کا سلطان اسوقت اورخان (خاندان عثمانی سلاطین کا دوسرا بادشاہ) تھا، جس نے اپنے باپ عثمان جوک کے ۱۳۲۶ء میں یونانیوں سے بروسہ فتح کرنے کے بعد بارہ سال محاصرہ کرکے

میں بھی ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر درج ہے۔ جس میں سفیان ابن عیینہ نے بحوالہ عبدالکریم الجرجانی (تاریخ وفات ۱۷۰ھ قریب ۷۸۸ء) بیان کیا ہے کہ ...... میں ایک ایسا شہابیہ گرا لوگوں نے اس کو خلیفۂ وقت کے پاس بھیجا، اس نے اسکی تلوار بنانے کے لئے حکم دیا، جب اس کو آگ میں ڈالا تو پگھلا نہیں۔ عرب بادشاہوں اور ترکمان سرداروں کو ایسی باتوں سے بہت دلچسپی تھی، لومونوسوف کے عجائب خانہ کے تیغہ کی ابتدائی تاریخ کا ان دونوں واقعات کے ذریعہ ممکن ہے کہ پتہ چل جائے۔ قارئین کو مذکور بالا امور کی طرف اس لئے توجہ کی زحمت دی گئی کہ علم ہیئت کے اِس شعبہ سے متعلق یورپ اور امریکہ کے ماہرانِ سائنس کو انیسویں صدی کے شروع تک بھی صحیح معلومات حاصل نہ تھے، بڑے بڑے عالم آسمان سے شہابی مادے گرنے کو جہلا کی منگھڑت روایت تصور کرتے تھے، لیکن آٹھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے مسلمان بادشاہان کی ماہیت سے بخوبی واقف تھے اور اُن سے مفید چیزیں بطور یادگار بنواتے تھے؛

۱۳۲۹ء میں نیقیہ لے لیا، ایشیائے کوچک کے مسلمان ترکمان حکمرانوں میں عثمان
اور اورخان سب سے بڑے بادشاہ تھے، بازنطانی حکومت سے لڑ کر
یکے بعد دیگرے متعدد شہر اور قلعے فتح کر چکے تھے، ابن بطوطہ نے اورخاں
کو بچشم خود دیکھا اور اس کی بہادری کی تعریف کرتا ہے، نیقیہ ایک
تالاب کے بیچ میں واقع ہے۔ شہر مضبوط اور باغات سے
آراستہ تھا، یہاں اس کا قیام چالیس روز رہا۔ ترکی زبان نہ جاننے
اور عربی داں ترجمان نہ ملنے کی وجہ سے اس کو اور اس کے ساتھیوں
کو بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ پھر سقاریہ کا مشہور دریا عبور کر کے
آگے کو بڑھے، برفباری بھی ہونے لگی، جس سے ان کے مصائب اور
بڑھ گئے، قنیوق میں ایک یونانی عیسائی مذہب کی بڑھیا کے مکان میں
ٹھیرنا پڑا، اُس نے اس کو تاجر سمجھ کر زعفران کی ایک بڑی مقدار خریدنے
کو کہا، (جس کی وہاں اچھی کاشت ہوتی تھی)، ابن بطوطہ نے معذرت
کی، بعد کو جنگل میں راستہ بھٹک کر طرح طرح کی مصیبتیں سہنے کے
بعد مسلمان درویشوں کی ایک خانقاہ میں پناہ لی۔ صبح کو یہاں سے نکل کر
مترونی (صحیح مدرلو) پہنچے ایک عربی داں حاجی سے ملاقات ہوئی،
اس کو کچھ رقم دے کر قسطمونیہ تک (جو دس دن کا راستہ تھا) اپنے ساتھ
چلنے کے لئے راضی کیا، حاجی لالچی تھا، ہر چیز میں من مانا روپیہ کمایا
جب بولی نام کے مقام پر پہنچے تو فتیان کی ایک خانقاہ میں اس کے
ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا گیا جیسا کہ عزیزوں اور قرابت داروں کے

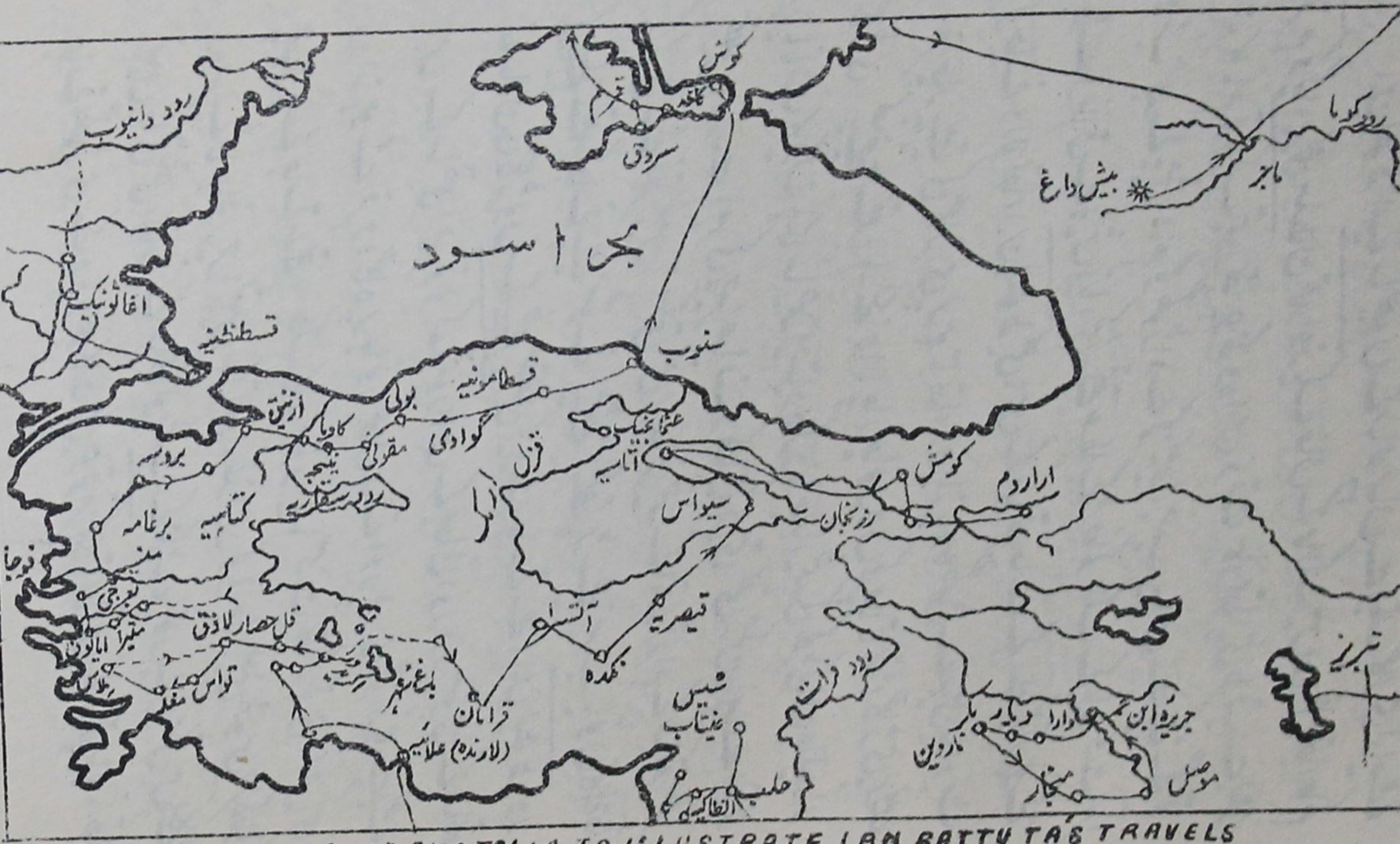
ساتھ کیا جاتا ہے، دوسرے دن گرادی بوبلی کے خوشنما شہر میں پہنچے، کھلے میدان پر واقع ہونے کی وجہ سے سردی بہت شدت کی محسوس ہوئی، مقامی حاکم خلیق اور راست باز تھا، ایک گھنٹہ تک ابن بطوطہ سے گفتگو کی اُسکے لئے لباس اور زین و لگام سے سجا ہوا ایک گھوڑا بھجوایا، اس کے بعد برلو دیا بو یالو، ہوتے ہوئے قسطمونیہ پہنچے جہاں اشیار کی فراوانی تھی اور قیمتیں اتنی کم کہ ایسا کہیں اِسکے دیکھنے میں نہیں آیا، ایک بہرے آدمی کی خانقاہ میں پہنچے قسطمونیہ کا سلطان مشہور سلیمان بادشاہ تھا، اُسکا سِن ستر سال سے متجاوز تھا، ابن بطوطہ کو اپنے دربار میں دائیں بازو بیٹھنے کو جگہ دی، اور ہر طرح سے اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا، یہاں سے بحر اسود کے جنوبی بندرگاہ سنوپ (SNOPE) کو گئے، خشکی کی راہ سے شہر میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ جانب شرق تھا، ابراہیم بک فرزند سلیمان پاشا کے اجازت نامہ بغیر کوئی شخص شہر کے اندر جا نہیں سکتا تھا، سنوپ بہت آباد مضبوط، اور خوبصورت شہر تھا، اس کے باہر گیارہ قصبے یونانی عیسائیوں سے آباد تھے جامع مسجد بڑی دیدہ زیب عمارت ہے، سلطان پروانہ نے اس کو تعمیر کروایا تھا، اُس کے مرنے پر اس کا بیٹا غازی چلبی اُس کا جانشین ہوا، جب وہ مر گیا تو سلطان سلیمان نے اس پر قبضہ کر لیا، غازی چلبی بڑا بہادر سردار تھا، پیراکی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا یونانیوں کو اِس نے کئی مرتبہ شکست دی تھی، سرزمین کرائمیہ میں بحر اسود کے شمالی جانب قرم کے شہر کو جانے کے لئے موافق ہوا کے انتظار میں چالیس دن

تک سنوپ میں ٹھیرنا پڑا، (قرم اس وقت کرائمیہ کے منگول گورنر کا مُستقر تھا بعد کو اک خود مختار ریاست کا پایۂ تخت بن گیا،

یونانیوں کا ایک مملوکہ جہاز کرایہ پر لے کر مزید گیارہ دن قیام کیا، جب جہاز چلنے لگا تو تین رات بعد شدت کا طوفان اٹھا، اور سنوپ ہی کے قریب واپس لا کر چھوڑا مطلع صاف ہوا تو پھر جہاز روانہ ہوا، ایک اور طوفان برداشت کرنا پڑا، بالآخر کرش کی بندرگاہ پر پہنچے جہاز اندر داخل ہوا چاہتا تھا کہ قریب کی پہاڑی پر سے چند لوگوں نے اشارہ سے منع کیا، یہ خیال کر کے کہ گودی میں دشمن کے جہاز ٹھیرے ہوں گے جہاز ساحل کے بازو سے چلایا گیا، ابنِ بطوطہ نے خفچاق کی سبزہ زار کا دلفریب منظر دیکھ کر مالک جہاز سے درخواست کی کہ اس کو خشکی پر اتار دیا جائے یہ وسیع ملک سلطان محمدؐ اوزبک کے علاقہ میں تھا، تیرھویں صدی کی منگول بادشاہتوں کے چار مشہور ممالک میں سے خفچاق کی خانی بعید ترین مغربی جانب واقع تھی، اس کے بادشاہ زرین اردو کے مغل خانوں کے نام سے بھی منسوب تھے، اس کے دو حصے ہو چکے تھے۔ ایک نیلے اردو والوں کا علاقہ تھا، دوسرا اسفید اردو والوں کا، ان میں اول الذکر بہت طاقتور تھے، دریائے ڈان اور والگا پر اُن کا تسلط قایم تھا، ان کے مقبوضات خیوہ KHISVE، اور کوہ قاف سے لے کر بحیرہ ارل (ARAL)، اور خیوا تک پھیلے ہوئے تھے، سُلطان محمد اوزبک نے ۱۳۱۲ء سے ۱۳۴۰ء تک سلطنت کی اور نیلے اردو کے اکابر سلاطین میں سے تھا) جہاز سے اُترنے کے دوسرے

دن ایک تاجر نے خفچاق کے اصل عیسائی باشندوں سے ایک گاڑی کرایہ پر لی۔ یہاں کے مسطح میدانوں میں سفر کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے، یہ میدان (مراعی) (STEPPES) چھ مہینے کی راہ تک پھیلے ہوئے تھے، ان میں کہیں بھی درخت نہ تھا، جلانے کے لئے مویشیوں کا گوبر استعمال ہوتا تھا، چھوٹے بڑے سب کے سب کمر سے کپڑا باندھ کر گوبر چنتے اور جمع کرتے پھرتے تھے، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی بمقام کفا رحال فیوڈوسیہ مسلمانوں کی ایک مسجد میں ٹھیرے (تیرھویں صدی عیسوی کے ختم پر جے نو آ (GENOA) کے جہاز راں تجار نے بحر اسود کے شمال مغرب میں اس جگہ اپنے لئے ایک بڑی تجارتی بندرگاہ بنالی تھی کفا عیسائیوں سے آباد تھا، جن میں زیادہ تر جے نو آ کے لوگ تھے، ان کا گورنر و مدیر (اطالوی ڈیمٹریو) کہلاتا تھا، ایک گھنٹہ کے بعد چاروں طرف سے گھنٹے بجنے کی آواز سنائی دی، ابن بطوطہ نے گھبرا کر اپنے ساتھیوں کو مسجد کے مینار پر چڑھ کر اذان دینے اور آیات قرآنی پڑھنے کے لئے کہا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، یکایک ایک شخص زرہ بکتر پہنے ہتیار باندھے مسجد میں آیا اور ان کو سلام کیا، وہ وہاں کا قاضی تھا، کہنے لگا کہ اذان اور تلاوت قرآن کی آواز سن کر وہ گھبرایا کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں پر کفار کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے، دوسرے دن حاکم شہر ملنے آیا اور ان کی ضیافت کی، پھر انہوں نے شہر کو گھوم کر دیکھا، بندرگاہ بڑی عالیشان تھی ہر کوئی دو سو جہاز چھوٹے بڑے جنگی و تجارتی گودی میں لنگر انداز تھے"

ابن بطوطہ کا سفر اناطولیہ



SKETCH MAP OF ANATOLIA TO ILLUSTRATE IBN BATTUTA'S TRAVELS

ابن بطوطہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے ایک گاڑی کرایہ کرکے قرم کو گیا۔ یہ بھی سلطان محمد اوزبک خاں کے ممالک میں داخل تھا، حاکم شہر کا نام تولوک تیمور تھا چونکہ وہ اس وقت بیمار تھا اپنی طرف سے بطور نائب مسجد کے پیش امام کو گھوڑا دے کر بھیجا، جب یہ اس سے ملنے گئے تو بڑے اخلاق سے پیش آیا، کئی تحفے عطا کئے، حاکم ملک کے پایہ تخت سرا کو جانے والا تھا، ابن بطوطہ بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے سفر چار پہیئے کی گاڑی پر ہوتا تھا، دو یا زیادہ گھوڑے، بیل یا اونٹ گاڑی کھینچتے تھے، ہانکنے والا چار جانوروں کو چلاتا تھا، گاڑی پر نمدے یا بانات کا ایک ہلکا سا خیمہ ایستادہ کر دیا جاتا، خیمہ کی کھڑکیاں جالیدار تھیں اندر سے باہر کی چیز صاف دکھائی دیتی تھی لیکن باہر سے اندر کی کوئی شے نظر نہیں آسکتی تھی، مسافر خیمہ کے اندر آرام کے ساتھ سفر کر سکتے تھے، کھانے پینے سونے بیٹھنے لکھنے پڑھنے سب باتوں کا انتظام تھا سامان کی گاڑیوں کے خیمے مقفل کر دئے جاتے تھے، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی امیر تولوک تیمور، اس کے بھائی اور دو بیٹوں کے ساتھ روانہ ہوئے فرودگاہ پر جانور کھول دئے اور پوری آزادی سے چرنے چھوڑ دئے جاتے تھے، ملک کا دستور ایسا سخت تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا جانور چرا نہیں سکتا تھا، غذا میں کوئی جامد یعنی ٹھوس چیز کھائی نہیں جاتی تھی، اناج کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے شوربے کی شکل میں پکائے جاتے تھے گھوڑی کے دودھ کا دہی جو قومز کہلاتا تھا اس کے ساتھ پیا جاتا تھا،

ترک بوزہ کا استعمال حلال سمجھتے تھے، مزہ میں تلخ تھا، مٹھائی ان کو پسند نہ تھی
ماہ رمضان میں ایک دن ابن بطوطہ نے اپنے ایک ساتھی کی بنائی ہوئی
مٹھائی سلطان اوزبک کی خدمت میں پیش کی تو اُس نے اس کو صرف
انگلی سے چکھ کر رکھ دیا،

اٹھارہ منزل چلنے کے بعد ابن بطوطہ نے امیر اور اُس کے متعلقین
سے پہلے ٹاگن روگ (TAGANROD) کے مغرب میں دریائے میوس
(MIUSS) کے وسیع دہانہ کو پورے ایک دن میں عبور کیا، تین دن
چلنے کے بعد ازاق (AZOQ) کی بندرگاہ میں پہنچا، (یہ شہر دریائے ڈان
(DON) پر واقع ہے سنہ ۱۶۹۶ء میں پیٹر زار روس نے اس کو ترکوں سے
چھین لیا،) امیر نے اس کے ساتھ اپنا ایک خط حاکم شہر کے نام بھیجدیا تھا،
اس کو پڑھ کر حاکم قاضی اور طلبہ کے ساتھ اس سے ملنے آیا، کھانے کی دعوت
دی، بعد فراغت شہر کے باہر خیمہ میں ٹھیرا، اس بندرگاہ میں کینی جےنو آ
اور دیگر عیسائی اقوام کے جہازات اکثر آیا کرتے تھے دو روز بعد امیر خود آ پہنچا،
رنگین ریشم کے ایک خاص خیمہ میں اس کی ضیافت کی گئی، پاپیادہ چلتے وقت
اُس کے راستہ میں ریشمی کپڑا بچھایا جاتا تھا، امیر نے ازراہ مہمان نوازی
وکرم فرمائی، ابن بطوطہ کو اپنے سے بھی آگے چلنے کو کہا، جب بیٹھا تو خود
اپنی کرسی پر اس کو بٹھایا اور آپ اس کے بازو بیٹھا، اس کے دونوں
بیٹے بھائی اور بھتیجے بادب سامنے کھڑے رہے، ضیافت کے بعد حاکم
شہر کی جانب سے امیر اور اسکے متعلقین کی خدمت میں ملبوسات اور

گھوڑے بطور نذر پیش کئے ابن بطوطہ کو بھی ایک گھوڑا دیا گیا، اس ملک میں گھوڑوں کی بڑی افراط ہے، ان کی قیمتیں بہت کم ہیں، ایک اچھا گھوڑا مراکش کے ایک دینار کو بھی مل جاتا تھا، ملک کے باشندوں کی زندگی ہی گھوڑوں پر موقوف تھی، ایک ایک شخص کے پاس گھوڑے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ چھ چھ ہزار کا ایک منڈا ہندوستان بھیجا جاتا تھا، ہر پچاس گھوڑوں کا ایک رکھوالی تھا، سندھ پہنچنے تک بہت سے گھوڑے مر جاتے، یا چوری ہو جاتے تھے، سندھ میں سات نقرئی دینار محصول ادا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ملتان میں بھی محصول تھا، مسلمان تاجروں سے ڈھائی فیصدی زکوۃ لی جاتی تھی، اور غیر مسلم سے دس فیصدی محصول اس کے باوجود سوداگر اچھا نفع کما لیتے تھے، اقل قیمت ۲۵ مراکشی دینار (قریب ایکسو ہندی دینار) تھی، اچھے گھوڑے کی قیمت پانچسو دینار یا اس سے زیادہ بھی ہوتی تھی، ہندوستان میں یہ گھوڑے فوج اور دیگر جنگی خدمات کے لئے خریدے جاتے تھے، شرط کے گھوڑے یمن، عمان اور فارس سے آتے تھے اور انکی قیمت فی اسپ ایک ہزار یا چار ہزار دینار تھی،

ازاق سے ابن بطوطہ امیر کے پیچھے پیچھے سفر کرتا ہوا ماجر پہنچا، یہ کوماندی پر استرخان کے جنوب مغرب میں ترکوں کا بڑا ہی اچھا شہر تھا (اب کھنڈر بنا پڑا ہے)، ماجر کے بازار میں ایک یہودی نے اس سے ملاقات کی اور عربی میں کہا کہ وہ اسپین سے قسطنطنیہ، اناطولیہ، اور سرکیشیا ہوتا ہوا خشکی

کی راہ سے وہاں آیا تھا، پورے چار مہینے سفر میں کٹے، ترکوں کے ملک میں عورتوں کی مردوں سے بھی زیادہ عزت کی جاتی تھی، پہلی شہزادی جو ابن بطوطہ نے دیکھی قرم سے نکلتے ہوئے امیر کی بیوی تھی، جو بیش بہا اونی کپڑوں سے ڈھپی ہوئی گاڑی میں سفر کرتی تھی، اس کے خیمے کے دروازے اور دریچے کھلے تھے، خواص میں کئی ایک خوبصورت جوان عورتیں تھیں جب امیر کے خیمہ کے پاس گاڑی سے اُتری تو تیس لونڈیوں نے اس کے دامن کو حلقے پکڑ کر زمین سے اٹھالیا اور وہ اس طرح بڑے تزک واحتشام سے چلنے لگی، امیر اس کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے بازو بٹھالیا، قومز کے مشک لائے گئے، ایک پیالہ میں تھوڑی سی ڈال کر امیر کے سامنے دوزانو بیٹھ کر پیش کی اُس کے بعد اس کے بھائی کو ایک پیالہ عطا کیا، امیر نے بھی ایک پیالہ قومز ڈال کر شہزادی کو پلایا، پھر دونوں نے ملکر کھانا کھایا، امیر نے شہزادی کو ایک قیمتی لباس عطا کیا، اور وہ خیمہ سے رخصت ہوئی، عورتوں کے لباس کے مقابلہ میں مردوں کا لباس بہت سادہ ہوتا ہے بکرے کے بالوں کا ایک عبا، اسی کی ایک اُونچی ٹوپی اور بس۔

سلطان محمد اوزبک اس وقت بش داغ (یعنی پانچ پہاڑ) میں ماجر سے چار دن کی راہ پر تھا، ان پہاڑوں میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا جس میں ترک صحت کے خیال سے نہایا کرتے تھے، سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیاری کی گئی، پہلی رمضان کو ابن بطوطہ وہاں پہنچا

جب کہ سلطان تاجر کی طرف واپس لوٹنے کا حکم دے چکا تھا، ابن بطوطہ بھی واپس لوٹا۔ اور ایک ٹیلہ پر اپنا خیمہ نصب کر کے اس کے سامنے ایک پھریرا قایم کیا، اپنے گھوڑوں اور گاڑیوں کو خیمے کے پیچھے ترتیب دیا، جب سلطان کا اردو (جس کو عراق میں محلّہ کہتے تھے) وہاں آپہنچا تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک بڑا شہر منتقل ہو رہا تھا، ملازمین، مساجد، بازار باورچی خانے سب گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے، پکوان بھی چلتی گاڑیوں پر ہوتا تھا سلطان کی خواتین جب ابن بطوطہ کے خیمہ سے گذریں تو چوتھی خاتون نے ٹیلہ پر پھریرا دیکھ کر پہچانا کہ کوئی نووارد آیا ہے ملازمین کو اُسکے پاس بھیج کر استفسار کیا، اس نے بھی خاتون کی خدمت میں ایک تحفہ شکریہ کے ساتھ پیش کیا، خاتون نے اس کو برکت کی علامت تصور کر کے قبول فرمالیا، اور ابن بطوطہ کو اپنی محافظت میں لے لیا، پھر سلطان اور اس کا اردو ایک الگ جگہ پر اُترا،

محمد اوزبک خاں ایک بڑا ہی اُولوالعزم بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت دور دور کے ممالک تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے قسطنطینیہ کی بازنطائنی حکومت سے جنگ کر کے بہت سے علاقے فتح کرلئے تھے اسکا شمار اسوقت کی دنیا کے سب سے بڑے سات بادشاہوں میں تھا، (۱) سلطان مراکش جس کو ابن بطوطہ امیر المومنین کہتا ہے، (۲) سلطان مصر و شام، (۳) عراقین، (۴) سلطان محمد اوزبک (۵) سلطان ترکستان و ممالک ماوراے جیحون، (۶)، سلطان ہند،

(۷) بادشاہ چین، دوسرے دن سُلطان اوزبک کے دربار عام میں حاضر ہوا روزہ افطار کرکے سُلطان کے ساتھ کھانا کھایا، ممالکِ غیر سے آنے والوں کے ساتھ ترک نقد روپیہ کا سلوک نہیں کرتے تھے، بلکہ بکرے، گھوڑے اور قومز کے مشک بھیج دیتے تھے، ہر جمعہ کو بعد نماز بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان سنہری خیمہ میں تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا، لکڑی کا تخت سنہری روپہلی پہتوں سے آراستہ، جواہرات سے مرصع، خالص چاندی کے پاؤں پر ایستادہ خیمہ کے عین بیچ میں سُلطان کے بیٹھنے کے لئے رکھا جاتا تھا، اس کے سیدھے جانب خاتون طغطغلی اور اس کی برابر خاتون کبک بیٹھی تھی، بائیں جانب خاتون بیالون اور اس کی برابر خاتون اردو خاکی نشست تھی، تخت کے نیچے سیدھی جانب سلطان کا بڑا لڑکا کھڑا ہوتا تھا، اور بائیں جانب چھوٹا، سلطان کی لڑکی اس کے سامنے بیٹھتی تھی، ہر خاتون کی آمد پر سلطان اٹھتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اُس کی مقررہ نشست پر بٹھاتا تھا، یہ سب کچھ کھلے دربار میں ہوا کرتا تھا،

سلطان کے دربار میں پیش ہونے کے دوسرے دن صبح کو ابن بطوطہ سب سے بڑی خاتون طغطغلی کی خدمت میں حاضر ہوا جو اصل سُلطانہ اور دو شہزادوں کی ماں تھی، اس کے گرد پیش دس بوڑھی اور پچاس جوان عورتیں زمرۂ مُلازمین سے میوہ (از قسم آڑو) بیٹھی چھیلتی تھیں، سلطانہ کے سامنے بھی ایک سنہری تھالی اسی میوہ سے

بھری رکھی تھی اور وہ بھی اسی کام میں مشغول تھی، اس نے ابن بطوطہ کیلئے قومز منگوائی آنے کے بعد ایک پیالہ خود اپنے ہاتھ سے بھر کر اس کو دیا۔ ابن بطوطہ نے شکریہ ادا کیا، اور اس کے پینے کی کوشش کی، مزہ تلخ پاکر اپنے ایک ساتھی کو دے دیا، دوسرے دن دوسری خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا وہ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھی وہاں بھی قومز عطا فرمائی گئی، تیسری خاتون بیالون قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہ (انڈرونیکس سوم) کی بیٹی تھی، اس شہنشاہ کی عمر ۱۳۳۱ء میں ۳۵ سال کی تھی، یونانی تاریخوں میں زرین اردو کے کسی خان کو بادشاہ کی بیٹی بیاہی جانے کا ذکر درج نہیں ہے، لیکن کم از کم بازنطائنی کے شہنشاہوں کی خواصوں کی لڑکیاں بیاہی گئی ہیں، ابنِ بطوطہ جب اس خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ زر وجواہر سے مرصع ایک تخت پر بیٹھی تھی کئی نوجوان عورتیں یونانی، ترکی اور حبشی اسکے اطراف حاضر تھیں۔ ابن بطوطہ کے دور دراز سفر کا حال معلوم کرکے بڑی ہمدردی ظاہر کی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، (شاید خود اپنا وطن اس کو یاد آیا ہوگا)، رومال سے منہ پونچھ کر کھانا منگوایا، اور ابن بطوطہ کو کھلوایا، دوران سفر میں اکثر آتے رہنے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے فرمایا، جب وہ اپنے خیمہ کو واپس ہوا تو خاتون نے متعدد گھوڑے، روٹی مسکہ اور کپڑے بافراط عطا فرمائے، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اکثر خاتون کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کا بہت

مشکور تھا،

ابن بطوطہ اپنے سفر بلغار کا ذکر کرتا ہے، یہ شہر تیرھویں صدی عیسوی میں دریائے والگا کے بائیں کنارے قریب سنگم دریائے کاما، ماجرسے کوئی آٹھ سو میل دور منگول سرداروں کے علاقہ میں تھا، روس خصوصاً سائبیریا کی پیداوار زیادہ تر پوستین کی تجارت کا بڑا مرکز تھا، اب کھنڈر پڑا ہے، یورپ مستشرقین کو ابن بطوطہ کے اس حصۂ سفر کے یقین کرنے میں تامل ہے، اس لئے کہ آٹھ سو میل کا فاصلہ دس دن میں طے کرنا اور وہ بھی آہستہ چلنے والی گاڑیوں کے ذریعہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے ابن بطوطہ یا تو بھول گیا کہ اس نے یہ سفر کب اور کتنے دن میں کیا یا واقعہ نویس سے کچھ سہو ہو گیا ہے، ابن بطوطہ مارکو پولو کی طرح شیخی باز نہ تھا، اگر وہ بلغار نہ گیا ہوتا، تو صاف کہدیتا کہ اس شہر بلغاریہ کی پوستین کی تجارت کے متعلق فلاں فلاں قصے مشہور تھے) سفرنامہ کے بیان کے بموجب ابن بطوطہ سلطان سے اجازت لے کر راستہ بتانے والوں کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں بلغاریہ پہنچا، افطار کے بعد نماز مغرب و نماز صبح کے بیچ میں صرف نماز عشا پڑھنے ہی کا وقفہ ملتا تھا، وہاں تین دن ٹھیرا اس موسم میں شمالی سائبیریا کے برِّ تاریکی کی طرف جانے کا خیال کیا، لیکن چالیس دن کا سفر اور وہ بھی محض بے سود اس لئے ارادہ فسخ کر دیا، اس ملک کو جانے والے برف و یخ پر سلیجوں (بے پہیوں کی پھسلواں گاڑیوں) پر جاتے ہیں، کھینچنے کے لئے صرف کتّے ہی استعمال

ہوتے ہیں۔ جن کے پنجوں کے ناخن برف میں دھنسنے کی وجہ سے اُن کے پاؤں پھسل نہیں سکتے تجربہ کار کتا ہی سفر میں رہنمائی کرتا ہے، اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا جا سکتا، چالیس دن کے سفر کے بعد سوداگر اپنے سامان کے ڈھیر لگا کر چھپ جاتے ہیں، دوسرے دن ان ڈھیروں کے مقابل بطور معاوضہ مناسب مقدار میں پوستین چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اگر تاجر اس معاوضہ کو کافی تصور کرتا ہے تو پوستینوں کو اُٹھا لیتا ہے، اور اپنا سامان چھوڑ جاتا ہے، اگر کافی نہیں سمجھتا تو نہیں اُٹھاتا، بر اتاریکی کے باشندے اس کے دوسرے دن یا تو اپنے پوستینوں کے ڈھیر میں اضافہ کرتے ہیں ورنہ انکو واپس لے جاتے ہیں، خرید و فروخت کا اسی طرح انتظام عمل میں آتا ہے، تجار معلوم نہیں کر سکتے کہ کن لوگوں سے تجارت کی جاتی ہے۔

باب (۵)

۲۸ رمضان کو جب ابن بطوطہ بلغار سے واپس ہوا تو سلطان کا اردو پیش داغ چلا گیا تھا، عیدالفطر کی رسوم ادا ہونے کے بعد وہ سلطان کی ہمراہی میں حاجی ترخان (استرخاں) پہنچا جو بحرالخضر (CASPIAN SEA) پر واقع ہے۔ یہاں دریائے ایتل یا والگا (ITIL OR VOLGA) کا دہانہ ہے بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے، بازار وسیع ہیں جاڑے کے موسم میں دریائے والگا کا پانی منجمد ہو جاتا ہے، اور لوگ اس پر سلیجوں میں سفر کرتے ہیں، جاڑے کے ختم پر یخ پگھلنے لگتا ہے اور بعض اوقات سارا کارواں ڈوب جاتا ہے، خاتون بیالوں حاملہ تھی، یہاں پہنچ کر اپنے باپ کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کو زچگی کے لئے جانا چاہتی تھی اور سلطان سے اس کی اجازت حاصل کی، ابن بطوطہ نے اس کے ساتھ جانے کی درخواست کی، کسی قدر تامل کے بعد اس خیال سے کہ شاید کفار کے ملک میں اس کو ضرر پہنچے گا، اجازت ملی، نکلتے وقت سلطان کی طرف سے اس کو پندرہ سو دینار اور کئی گھوڑے معہ لباسِ فاخرہ عطا ہوئے، ہر ایک خاتون نے چاندی کے ڈلے (جو خرید و فروخت میں بطور مبادلہ استعمال ہوتے تھے) عنایت کئے، سلطان کی لڑکی نے ان سے بھی زیادہ قیمت کا سامان عطا فرمایا۔

ابن بطوطہ دسویں شوال کو خاتون بیالون کی محافظت میں روانہ ہوا۔ سلطان، اصل سلطانہ اور ولیعہد ایک منزل تک اس کے ساتھ گئے،

دوسری خواتین دو منزل تک جا کر لوٹ آئیں، امیر بیدرہ پانچ ہزار فوج کے ساتھ خاتون بیالون کو وطن پہنچانے کے لئے متعین ہوا، خود خاتون کی سپاہ پانسو سواروں پر مشتمل تھی جن میں دو سو یونانی تھے اور بقیہ ترک، کوئی دو سو عورتیں (زیادہ تر یونانی)، اس کی خدمت میں تھیں، تقریباً دو سو گاڑیاں، دو ہزار سواری اور گاڑی کے گھوڑے، تین سو بیل اور سو اونٹ ساتھ تھے، دس یونانی نوجوان اور اتنے ہی ہندوستانی تھے یونانیوں کا سردار مائیکل نامی ایک بہادر شخص تھا، ترک اس کو لولو پکارتے تھے، ہندوستانیوں کا صدر سنبل کے نام سے مشہور تھا، پہلے اکاک پہنچے، یہاں سے ایک روز کے راستہ پر روس کے پہاڑ ہیں، روسی بڑے ہی بدصورت اور دغاباز سمجھے جاتے تھے، اُن کے ملک میں چاندی کے معادن تھے جہاں سے چاندی کے ڈلے لائے جاتے تھے ہر ایک ڈلا پانچ اونس کا ہوتا تھا، (اس سفر کا راستہ جو ابن بطوطہ نے بتایا ہے بڑی مشکل سے سمجھ میں آتا ہے اسی طرح چین کے سفر کا راستہ بھی جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا، بیس برس کے بعد غیر مانوس مقامات کے نام اور راستوں کی تفصیل اُس کے حافظے سے نکل گئے ہوں گے اس لئے ان کا صحیح پتہ چلانا انتہا درجہ مشکل ہے)۔

اکاک سے دس رات سفر کرنے کے بعد سرداق پہنچے، جو صحرائے خفچاق کے ساحل پر بہترین گودی رکھتا ہے، اس میں ترکوں کی حکومت ہے، یونانی ان کے تابع ہیں، ہر مقام پر خاتون کی خدمت میں مقررہ

تحائف پیش ہوتے تھے اور ہر حاکم اِس کو اپنے علاقہ کی سرحد تک پہنچاتا تھا بالآخر ترکی سرحد کے آخری شہر بابا سلطوق کو گئے، جو ایک مسلمان بزرگ کے نام سے بہت متبرک سمجھا جاتا تھا، (ابن بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے یہ مقام دریائے نیپر (DNIEPER) اور کرائمیہ کے درمیان کہیں واقع تھا، مستشرقین کا خیال ہے کہ وہ ۱۳۸۹ء میں بمقام بابا داغ مولڈیویا میں منتقل کیا گیا، ترکوں کا بکتاش فرقہ اسی سے متعلق تھا، یہاں سے یونانیوں کی سرحد تک پہنچنے کے لئے اٹھارہ دن ایک غیر آباد صحرا میں سے سفر کرنا پڑا جس میں آٹھ دن بے آب خطہ میں سے گذر ہوا اس لئے کافی پانی ساتھ لے لیا گیا تھا، جاڑوں کا موسم ہونے کی وجہ سے پانی کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ الحمد للہ بالآخر یونانی سرحد کے قلعہ مہتولی پر پہنچے (شاید اس کا صحیح نام کو دلی حال جمبولی ہے) خاتون کی آمد کی یونانیوں کو اطلاع ہو چکی تھی، سردار (کفالی) نیکولس ایک بڑی فوج اور تحائف کے ساتھ اس کو لینے کے لئے حاضر ہوا اُس کے ساتھ شہنشاہ کے محل سے شہزادیاں اور انائیں وغیرہ بھی آئیں، ابن بطوطہ کے ساتھی اِس کی خواصیں وغیرہ سرحدی مقام پر ایک مکان میں اُس کی واپسی تک کفالی کی محافظت میں چھوڑ دئیے گئے، ترکی سردار بیدرہ بھی وہیں ٹھیر گیا، صرف یونانی ہی خاتون کے ساتھ آگے کو روانہ ہوئے، سفری مسجد بھی وہیں چھوڑ دی گئی، اور اذان بھی موقوف کر دی گئی، المختصر خاتون نے تمام اسلامی طریقے ترک کر دئے، بلکہ شراب اور ممنوعہ

گوشت استعمال کرنے لگی صرف ابن بطوطہ اور ایک ترک اس کے ساتھ رہ گئے، یہی نماز پڑھا کرتے تھے، خاتون نے کفالی کو حکم دے رکھا تھا کہ ان کی مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہونی چاہئے چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا، اس کے بعد وہ ایک پہاڑی کے نیچے تیز رو ندی استافلی کے بازو مسلمہ ابن عبد الملک کے قدیم قلعہ پر پہنچے، اس وقت وہ کھنڈر رہ گیا تھا، کئی نہروں، غالباً سمندر کی شاخون سے گذرتے ہوئے فنیقہ (FANIKA) کے چھوٹے مگر بہت ہی خوبصورت شہر میں آپہنچے، یہاں خاتون نے تین رات اپنے باپ کے محل میں قیام کیا،

پھر خاتون کا بھائی کفالی قراس پانچ ہزار زرہ پوش اور پوری طرح مسلح سواروں کے ساتھ اس سے ملنے آیا، اس کا لباس سفید اور سر کے اوپر مرصع چتر تھا، دائیں اور بائیں طرف پانچ پانچ شہزادے سفید لباس پہنے مرصع چتروں سے آراستہ تھے، ابن بطوطہ نے ان سرداروں، ان کے ہتیاروں اور سپاہیوں کی بڑی تفصیل دی ہے قرون وسطیٰ کے عیسائی جنگجوؤں کے حالات سے دنیائے اسلام مختلف ذرائع سے واقف ہو چکی ہے اس لئے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، بھائی بہن کی ملاقات کا بھی بڑی صراحت کے ساتھ ذکر درج ہے، شہزادہ عمر میں اپنی بہن سے چھوٹا تھا اس لئے گھوڑے پر سے اتر کر خاتون کے رکاب کو بوسہ دیا، اس نے اس کی

پیشانی کو بوسہ دیا، دوسرے شہزادوں اور سرداروں نے بھی گھوڑوں سے اتر کر خاتون کی رکاب کو چوما، دوسرے دن ایک اور پر فضا اور شاداب شہر میں ولی عہد سلطنت ملنے آیا، اس کے ساتھ دس ہزار مسلح سوار تھے، اس کے سر پر تاج تھا، دونوں بازو کوئی بیس بیس شہزادے تھے، خاتون پہلے کی طرح ریشمی لباس اور بیش قیمت زر و جواہر کے زیورات زیب تن کئے ہوئے تھی، ایک ریشمی خیمہ کے اندر دونوں کی ملاقات ہوئی جس کی تفصیل ابن بطوطہ کو معلوم نہ ہو سکی، قسطنطنیہ سے دس میل کے فاصلہ پر سب لوگ خیمہ نصب کرکے اتر پڑے، سارا شہر ان کے دیکھنے کو آیا، سوار یا پیادہ باشندگان شہر اپنے بہترین لباس پہنے ہوئے آپہنچے، دوسرے دن طلوع آفتاب کے وقت شہنشاہ خاتون کی حقیقی والدہ کے ساتھ بڑے تزک و احتشام سے اپنی لڑکی کو لینے آیا، اسوقت مارے خوشی کے انتظام درہم و برہم ہوگیا، ابن بطوطہ دیکھ نہ سکا کہ خاتون نے کس طرح اپنے ماں باپ سے ملاقات کی بعد کو معلوم ہوا کہ خاتون گھوڑے پر سے اتر پڑی ان کے سامنے زمین کو بوسہ دیا پھر اُنکے گھوڑوں کے سموں کو چوما، اس کے ساتھ کے سر برآوردہ اشخاص نے بھی ایسا ہی کیا،

قسطنطنیہ میں دوپہر کے وقت جب داخل ہوئے تو گھنٹوں کی آواز سے فضا گونج اٹھی، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی محل شاہی کے پہلے دروازے پر مسلمان ہونے کی وجہ سے روک دیئے گئے، بالآخر خاتون نے

اپنے باپ سے بالمشافہ سفارش کر کے بادشاہی حکم نافذ کرایا، اور وہ خاتون کے محل کے قریب اتارے گئے، بازاروں میں گشت کرایا گیا، کہ کوئی انکو کسی طرح کی زحمت نہ پہنچائے، تین دن بعد ابن بطوطہ شہنشاہ کے دربار میں پیش ہوا، لوگ اس کو تغفور دار (معنی زبان میں بمعنی بادشاہ) پکارتے تھے وہ جیرجلیس (GEORQE) انڈرونیکس دوم کا پوتا تھا، دآخر الذکر نے ۱۳۲۸ء میں بادشاہت سے دست بردار ہو کر رہبانیت اختیار کی اور ۱۳ر فروری ۱۳۳۲ء کو فوت ہوا، شہنشاہ چین کا لقب چونکہ فغفور (دراصل باغ پور، باغ بمعنی خدا اور پور بمعنی فرزند) تھا، غالباً اسی لحاظ سے مسلم مورخین نے بازنطائنی شہنشاہ روم کے لئے تغفور لقب قرار دیا، ابن بطوطہ ناواقفیت سے اندرونیکس دوم کا بیٹا کہتا ہے،) خاتون بیالون نے اپنے ہندوستانی خادم سنبل کے ذریعہ ابنِ بطوطہ کو بلا بھیجا پہلے چار پھاٹکوں سے گذرنا پڑا، ہر پھاٹک پر پیدل فوج متعین تھی پانچویں پھاٹک پر سنبل اندر جاکر چار یونانی نوجوانوں کو ساتھ لایا، انہوں نے اس کی جامہ تلاشی کی، مبادا کوئی ہتیار چھپا رکھا ہو، دجب عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ ۱۴۵۳ء میں فتح کر لیا تو ترکی سلاطین نے بھی بازنطینم کا یہی قدیم طریقہ رائج کیا،) دربار میں ملک شام کا ایک یہودی ترجمان موجود تھا، اُس نے عربی میں کہا گھبراؤ نہیں، یہاں کا یہی طریقہ ہے، جب ابنِ بطوطہ نے یہودی سے پوچھا کہ بادشاہ کو سلام کس طرح کیا جائے، اُس نے کہا اسلامی طریقہ پر السلام علیکم کہو، دربار کی تفصیلات کو چھوڑ کر صرف

اتنا کہنا کافی ہے کہ سلام کے بعد بادشاہ نے اس سے یروشلم، گنبد صخرہ، کلیسا جہاں عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب حضرت عیسیٰ دفن ہوئے تھے بیت اللحم، حضرت ابراہیم عم کے شہر ہیبرون، دمشق، قاہرہ، عراق اور اناطولیہ، وغیرہ کے متعلق سوالات کئے اس نے یہودی مترجم کی وساطت سے ان سب کے جواب دیئے شہنشاہ سنکر بہت محظوظ ہوا اور اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس کی بڑی عزت کی جائے اور اس کو شاہی محافظت میں تصور کیا جائے، اسی سلئے باہر نکلتے وقت مثل افراد خاندان شاہی اس کے روبرو بھی چتر پکڑا جاتا تھا، انعام واکرام لے کر اس نے شہر میں گھومنے کی اجازت چاہی، پھر وہ شہر کی وسعت، شان وشوکت، مال ودولت کا ذکر کرتا ہے، کہتا ہے قرن زریں GOLDEN HORN شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، زمانہ قدیم میں اس پر پتھر کا بنا ہوا ایک پل تھا، وہ گر گیا تو قرن زریں اب کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا جاتا تھا، مشرقی حصہ استنبول کہلاتا ہے، شہنشاہ، امراء وغیرہ اسی حصہ میں رہتے تھے، بازار وسیع، سڑکیں کشادہ اور پتھر کے فرش سے آراستہ تھیں، ہر بازار کا ایک دروازہ تھا، جو رات کو بند کر دیا جاتا تھا، اکثر صناع اور سامان فروش عورتیں ہی تھیں شہر سے متصل ایک پہاڑی ہے جو نومیل تک سمندر میں سرایت کر گئی ہے۔ اس کی چوٹی پر ایک چھوٹا قلعہ اور بادشاہی محل تھا، اس پہاڑی کے اطراف شہر کی فصیل ہے جو بہت مضبوط اور تیرہ آباد قصبوں کو گھیرے ہوئے ہے،

سب سے بڑی کلیسا سینٹ صوفیہ، اسی حصۂ شہر میں واقع ہے، قرن زریں کے مغربی جانب کا حصہ غلطہ (GALAYA) کہلاتا ہے، اس میں زیادہ تر فرانس جے نوا، وینس، اور روما کے عیسائی تجار رہتے تھے یہ سب بادشاہ قسطنطنیہ ہی کے ماتحت تھے، لیکن ان ہی میں کا ایک شخص بادشاہ کی جانب سے منتخب ہوکر اپنی قوم و ملت کے لوگوں پر حکومت کرتا تھا، کبھی یہ لوگ خراج یا محصول دینے میں تساہل کرتے تو بادشاہ ان سے جنگ کرتا تھا، بالآخر پاپائے روم کی وساطت سے جھگڑا طے ہو جاتا، ان کی گودی بہت ہی وسیع تھی اس کے اندر ایک سو سے زائد بڑے جہاز لنگر انداز تھے، چھوٹے جہازوں کی تعداد شمار سے باہر سمجھی جاتی ہے اس حصۂ شہر کے بازار سامان سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان میں غلاظت بھی بہت تھی، ان کی عبادت گاہیں بھی میلی کچیلی اور حقیر نظر آتی تھیں، ایا صوفیہ کی کلیسا کو وہ باہر ہی سے دیکھ سکا، عام طور پر مشہور تھا کہ آصف بن برخیا نے اس کو بنوایا تھا، (دراصل جسٹنین اوّل شہنشاہ مشرقی سلطنت روما ۵۸۳ء تا ۵۶۵ء نے اس کو تعمیر کرایا تھا) اسکے گرد ایک دیوار تھی، جس سے وہ ایک شہر کے مشابہ نظر آتی تھی، اسکے تیرہ پھاٹک تھے، ایک متبرک محصور رقبہ ایک میل لمبا تھا جو ایک بڑے پھاٹک سے بند تھا، کلیسا کے دروازہ پر ایک سنہری صندوق میں وہ اصل لکڑی کا صلیب نصب تھا جس پر عیسائیوں کے عام عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰؑ آویزاں کئے گئے تھے، اس کے پادریوں اور

رہبانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، اندر عورتوں کے لئے بھی ایک عبادت گاہ مخصوص تھی، ایک روز بادشاہ کے نامزد کردہ رہنما کے ساتھ ابن بطوطہ کی شہر میں سابق شہنشاہ سے ملاقات ہوئی جو رہبان بنگیا تھا، اس کے جسم پر بالوں کا ایک تکلیف دہ لباس تھا، سر پر نمدہ کی ٹوپی تھی، لمبی سفید داڑھی تھی، چہرہ پر متانت کے ساتھ ریاضت کے آثار نمایاں تھے، اس کو دیکھ کر یہ دونوں گھوڑوں پر سے اتر پڑے تعارف کے بعد سابق شہنشاہ نے ابن بطوطہ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا، میں ان ہاتھوں کو چھو رہا ہوں جو یوروشلم میں داخل ہوئے تھے پھر پیروں کو چھو کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا، اس لئے کہ یہ پاؤں گنبد صخرہ اور بیت اللحم کے متبرک مقامات ہو آئے تھے، دیر تک یوروشلم اور وہاں کے عیسائیوں کا حال پوچھا، اس کے بعد اپنے عبادتخانہ میں چلا گیا،

خاتون کے ساتھ آئے ہوئے ترکوں کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ اب وہ اپنے باپ کے ملک ہی میں رہنا چاہتی ہے، اور عیسائی مذہب اختیار کرتی ہے تو کل ۳۶ دن قیام کے بعد اس سے اجازت لے کر واپس چلے، جاتے وقت خاتون نے ابن بطوطہ کو یونانی دیناروں اور مال و اسباب سے سرفراز کیا، ان دیناروں کو یونانی زبان میں ہاپرپائرن کہتے تھے، اس لئے کہ نصاب سے کم سونا ان میں شامل تھا، ابن بطوطہ نے ان کو برپرہ کہا، ایک یونانی امیر سرحد تک پہنچانے کے لئے

مقرر کیا گیا، وہ بابا سلطوق پہنچ کر ان سے رخصت ہوا، اس وقت موسم سرما کی شدت تھی، وضو کے لئے گرم پانی استعمال کرنے پر بھی قطرے منہ اور ہاتھوں پر برف کی شکل میں منجمد ہو جاتے تھے اگرم کپڑے اور پوستین اتنے پہننے پڑے کہ گھوڑے پر مشکل سے سوار ہو سکا، جب یہ لوگ حاجی ترخان واپس آئے تو سلطان محمد اوزبک اپنے پایۂ تخت سرا کو چلا گیا تھا، یہ بھی وہاں پہنچے، شہر کو بہت وسیع اور بارونق پایا، مسلمان ترکوں اور مغلوں کے علاوہ خفچاق، سرکیشیا، روس، اور یونان کے عیسائی بھی شہر کے مختلف محلوں میں آباد تھے عراق، مصر، شام، اور دیگر مقامات کے تاجر ایک مضبوط دیوار سے محصور حصّہ میں اپنے سامان کی حفاظت کی خاطر رہتے تھے (زرین اردو کے سلاطین کے پایۂ تخت یکے بعد دیگرے قدیم وجدید سرائے تھے، ابن بطوطہ کے سفر سے کچھ مدت پہلے سلطان محمد اوزبک نے قدیم سرائے کو چھوڑ کر جدید سرائے کو اپنا پایۂ تخت بنایا، حال شہر زاریواس میں شامل تھا، ۲۲۵ میل استرخان سے دور واقع تھا، اس کے کھنڈر چالیس میل میں پھیلے پڑے ہیں، جن کا رقبہ کوئی بیس مربع میل ہے)۔

باب (۶)

سرا سے ابن بطوطہ خوارزم کو چلا، چالیس دن کی مسافت کا ایک صحرا طے کرنا پڑا، چارہ کی قلت کی وجہ سے گھوڑے کام نہ دے سکتے تھے، اس لئے اونٹ استعمال کرنے پڑے دس دن کے سفر کے بعد دریائے اولوسو (یورل) کے کنارے شہر سرا چوک (بمعنی سرائے کوچک) پہنچے، یورل ایک بڑی اور تیز ندی ہے، بغداد کے پل کی طرح لوگ اس پر سے کشتیوں کے پل کے ذریعہ گذرتے تھے، تھکے ہوئے گھوڑوں کو سستے دام بیچ کر ابن بطوطہ نے اونٹ کرایہ پر لئے تیس دن مسلسل چلنا پڑا دن میں صرف دو گھنٹے ٹھیرتے تھے، ایک گھنٹہ قبل ظہر اور ایک گھنٹہ مغرب کے وقت، دجوار کی آش پکا کر کھانے کے لئے، گوشت کے کچھ کباب آش میں ملا کر اوپر سے دہی ڈال دیا جاتا تھا، چلتی گاڑیوں ہی میں مسافر کھانا کھاتے اور سوتے تھے، راستہ میں پانی بھی وہی ملا جو بارش سے گڑھوں میں جمع ہو گیا تھا، خوارزم ترکی ممالک میں سب سے بڑا اور خوبصورت شہر ہے، اس میں اتنے آدمی تھے کہ رہنے کو جگہ نہ ملتی تھی یہ شہر بھی اوزبک سلطان کے ممالک میں شامل تھا، قتلودمور نامی ایک امیر اس کی نیابت کرتا تھا، خوارزمی بڑے مہمان نواز اور پابند صلوٰۃ تھے، نماز نہ پڑھنے والے کو شرعی سزا دی جاتی تھی، دریائے جیحوں شہر کے باہر سے بہتا ہے، سال میں

پانچ مہینے اس پر برف جم جاتا ہے، موسم گرما میں جہاز اس میں ترمذ تک جا سکتے ہیں جو دریا کے بہاؤ کی سمت میں دس دن کی راہ ہے، ایک نو تعمیر شدہ علمی ادارہ میں ابن بطوطہ کا قیام رہا، بعد نماز یہ قاضی کے مکان پر ملنے گیا، کمرا بڑا شاندار قیمتی قالینوں اور ریشمی پردوں سے سجا ہوا تھا، قاضی کے ساتھ امیر قتلو دمور کی ملاقات کو گیا، اس نے سلطان اوزبک، خاتون بیالون اور قسطنطنیہ کے متعلق پوچھا، حسب معمول کھانے پینے کی اشیاء سامان مہمانداری کے ساتھ بھیجدی جاتی تھیں، یہاں کوئلہ استعمال نہیں ہوتا تھا، یہی حال ایران اور ہندوستان کا تھا، البتہ چین میں معدنی کوئلہ جلایا جاتا تھا، امیر نے ابن بطوطہ کے لئے ایک ہزار درہم بھیجے اس نے اس رقم سے بڑی تعداد میں گھوڑے خریدے، کہتا ہے ایک گھوڑا سیاہ رنگ کا جو ۳۵ نقرئی دینار دے کر لیا تھا بڑا مبارک ثابت ہوا، تین سال تک زندہ رہا۔ اس مدت میں اس کے تمام دنیاوی کاروبار اچھے چلے، جب گھوڑا مر گیا تو حالت دگرگوں ہوگئی،

خوارزم سے بخارا تک ایک ریتیلے صحرا میں سے اٹھارہ دن کا راستہ تھا، بیچ میں صرف ایک آباد مقام کاٹ ملتا تھا، یہاں ایک یخ بستہ تالاب کے کنارے اتر پڑے، قاضی اور اسکے بعد حاکم شہر ان سے ملنے آیا اور ان کے اعزاز میں بڑی ضیافت کی، پھر چھ راتیں ایک بے آب خطۂ زمین سے سفر کر کے وافقند پہنچے، یہاں سے بخارا ایک دن کا راستہ تھا ہر طرف باغ اور میووں کے درخت تھے، جن کے بیچ میں نہریں بہتی تھیں، یہ

شہر پہلے ماوراء النہر کا پایۂ تخت تھا، چنگیز تاتار نے اس کو تاراج کردیا
عروج کے زمانہ میں بخارا علوم دین کا معدن تھا، اب وہاں علم
کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی، مضافاتِ شہر میں سے ایک جگہ
بمقام فتح آباد ٹھہرے رہے، بخارا سے سلطان صالح ترمشیرین
کی فرودگاہ کو گئے، پھر نخشب (قرشی) کے چھوٹے سے شہر کو، جس
کے گرد نہروں سے معمور بہت سے باغ تھے، سلطان شکار کو گیا
ہوا تھا، اس کے نائب امیر تق بوغا سے ملنے گئے، اس نے ابن بطوطہ
کو ایک ترکی خیمہ عطا کیا، اسی شب ابن بطوطہ کے حرم میں ایک لڑکی
تولد ہوئی، بڑی نیک شگون ثابت ہوئی لیکن افسوس کہ ہندوستان
جانے کے دو مہینے بعد مرگئی۔

سلطان ترکستان ترمشیرین بڑا ہی راست باز اور ذی وقار
بادشاہ تھا، فوج بہت اور حکومت بہت وسیع تھی، چین ہندوستان
عراق اور اوزبک کے بادشاہوں کا ہم پلہ تھا، ان کے ممالک سے
اس کی سلطنت ملتی تھی، سب اس کی عزت کرتے تھے، اس کے
پیش رو اس کے دو بھائی کافر تھے، یہ سچا اور دیندار مسلمان تھا، فجر
اور مغرب کی نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھتا تھا، ابن بطوطہ
نے اس سے نماز فجر کے بعد مسجد سے باہر آتے وقت ملاقات کی، عدل
وانصاف کا بڑا حامی تھا، ایک مرتبہ نماز کو جانے میں دیر ہوئی پیش امام
سے ذرا انتظار کرنے کے لئے کہلا بھیجا، اس نے صاف کہدیا، نماز وقت

اور پنجاب میں دہی سے، شہر پہنچنے سے پہلے ابن بطوطہ کی حاکم شہر علاء الملک خداوندزادہ سے ملاقات ہوئی، اس نے مہمانداری کے احکام جاری کئے۔ جیحوں کو عبور کر کے خراسان کے ریگستانوں میں سے ہوتے ہوئے بلخ پہنچے، یہ اب بالکل ویران ہو گیا تھا، چنگیز نے چھپے خزانوں کے جھوٹے لالچ میں بہت سی مسجدوں کو کھدوا ڈالا، لیکن کہیں کچھ نہ پایا، بلخ سے کارواں قوہستان کے پہاڑوں میں پہنچا، جن میں بہت سی خانقاہیں آباد تھیں، پانی کی نہروں سے درخت بہت سرسبز تھے، جن میں انجیر بکثرت تھے، پھر ہرات گیا جو اسوقت خراسان کا سب سے زیادہ آباد اور بڑا شہر تھا، نیشاپور بھی بہت آباد تھا، لیکن بلخ اور مرو کھنڈر پڑے تھے،

ہرات کا سلطان مشہور حسین معز الدین ابن سلطان غیاث الدین الغوری تھا، سنہ ۱۲۴۸ء سے ہرات پر قرت (KART) کا مقامی خاندان حکمرانی کرنے لگا۔ معز الدین حسین کے زمانہ میں (سنہ ۱۳۳۱ء تا سنہ ۱۳۷۰ء) ہرات کو خراسان کے اندر بہت عروج نصیب ہوا، لیکن سنہ ۱۳۸۱ء میں حسین کے بیٹے غیاث الدین پیر شاہ نے تیمور لنگ کی اطاعت قبول کر لی، سنہ ۱۳۸۹ء میں اس کی وفات ہوئی اس کے بعد اس کا خاندان مٹ گیا، ایک تارک الدنیا بزرگ نظام الدین مولٰنا کا جوانی کا زمانہ ہرات میں گذرا ان کے اثر سے وہاں احکام شرعی کی پابندی کی جانے لگی، حسین کے ایک رشتہ کے بھائی ملک ورنہ نے بھی اس رفاہی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، افسوس ہے کہ نظام الدین کو ایک ترکی امیر نے قتل کر دیا، اور ملک ورنہ کچھ دنوں بطور سفیر بادشاہ سیستان

مقررہ ہی پر پڑھی جائے گی۔ بادشاہ کے حکم کی عبادت میں تعمیل نہیں ہوسکتی سلطان کو مشغلیوں کی آخری صف میں نماز ادا کرنی پڑی، جو رکعتیں چھوٹ گئیں نماز جماعت ختم ہونے کے بعد سلطان کو پڑھنی پڑیں نماز کے بعد پیش امام سے ہنستے ہوئے مصافحہ کیا، اور ابن بطوطہ سے کہا جب وطن واپس جاؤ تو اپنے لوگوں سے کہو کہ ایرانی درویش نے احکام الٰہی کی تعمیل میں بادشاہ کے ساتھ کیسا سلوک کیا، پیش امام نماز جمعہ کے خطبہ میں سلطان کو برے کاموں سے پرہیز کرنے اور نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا تھا، سلطان سن کر رو دیتا تھا، ابن بطوطہ اس کے پاس چون روز مہمان رہا، سمرقند جاتے وقت سلطان نے اُسے سات سو نقرئی دینار، سو دینار قیمت کا ایک پوستین دو گھوڑے اور دو اونٹ عطا کئے، سمرقند پہلے بہت بڑا اور متمول شہر تھا، تاتاریوں نے اس کو تباہ کر ڈالا، شہر کے باہر قثم ابن العباس کا مزار ہے، جو تاتاریوں کے حملہ کے وقت شہید ہوئے تھے، ہر یکشنبہ اور پنجشنبہ کی شب کو باشندگان شہر (جن میں حال تاتاری بھی شریک ہیں) مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں یہاں سے کارواں ترمذ پہنچا، قدیم ترمذ دریائے جیحوں کے کنارے بہت بڑا اور دولت مند شہر تھا، چنگیز نے اس کو بھی غارت کردیا، نیا ترمذ دریا سے دو میل ہٹ کر آباد کیا گیا، بہترین انگور اور دوسرے میووں کے باغات اور نہروں سے معمور ہے، یہاں کے لوگ سر کے بال دودھ سے دھویا کرتے تھے، (جیسا کہ ہندوستان میں تیل سے

کے پاس رہا، وہاں سے ہندوستان گیا، یہاں ابن بطوطہ سے آگے چل کر
اس کی ملاقات ہوئی، وہ بھی بادشاہی سازشوں کے سلسلہ میں مار ڈالا گیا،
ابن بطوطہ ہرات سے جام پہنچا، یہاں اکثر درخت شہتوت کے تھے اور ریشم
بہت پیدا ہوتا تھا، پھر طوس اور وہاں سے مشہد گیا، جہاں مذہب اثنا عشریہ
کے آٹھویں امام حضرت علی الرضا رضؓ (تاریخ وفات ۲۰۳ھ) کا عالی شان
مقبرہ ہے اس کا گنبد بہت خوبصورت ہے اور دیواریں رنگین ٹائل
کی ہیں، اس کے مقابل خلیفہ بنی عباس ہارون رشید کا مزار ہے۔ (خراسان
کی سرحد پر فوج کشی کرتے ہوئے اس کا انتقال طوس میں ۱۹۳ھ میں ہوا،
ابن بطوطہ کہتا ہے کہ شیعی اس مزار کی بے حرمتی کرتے تھے، پھر سرخس سے
ہوتا ہوا مشہد کے جنوب میں زوا پہنچا، شیخ قطب الدین حیدر کے یہاں
بہت مرید تھے، (اس لئے اب وہ تربت حیدری کہلاتا ہے) اس سلسلہ
کے درویش ہاتھوں میں لوہے کی چوڑیاں اور کانوں میں لوہے کی بالیاں،
پہنتے ہیں، وہاں سے ابن بطوطہ نیشاپور گیا، جو میوہ کے درختوں اور نہروں
کی فراوانی سے دمشق صغیر کہلاتا تھا، یہاں کا ریشمی کپڑا اور مخمل ہندوستان
بھیجا جاتا تھا، ابن بطوطہ شیخ قطب الدین نیشاپوری کی خانقاہ میں ٹھیرا،
ان کے کشف و کرامات کا ذکر کرتا ہے، بسطام، قندوز اور بغلان کے متبرک
مقاموں کی زیارت کی، قندوز میں ندی کے کنارے مصر کے ایک شیخ
(جو عام طور پر شیر سیاہ کے نام سے مشہور تھے) کی خانقاہ کے قریب
چالیس دن جانوروں کو تازہ دم ہو لینے کی خاطر ٹھیر گیا، اس علاقہ کا

حاکم موصل کا ایک شخص تھا، مہمان نواز اور حامی عدل و انصاف، راستہ میں ہندوکش کے پہاڑ حائل تھے، برف باری کے خوف سے کبھی ہندوستان جانے والے مسافروں کو ٹھیر جانا پڑا، ہندوکش کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتاہے کہ ہندوستان سے جو لڑکے اور لڑکیاں اس پہاڑ کے راستہ سے ممالک مغرب کو خدمت کی غرض سے تاجر اپنے ساتھ لے جاتے تھے سردی کی شدت سے مر جاتے تھے (ابن بطوطہ نے خاوک کے راستہ سطح بحر سے تیرہ سو فٹ بلندی پر کابل کے شمال مشرق میں پہاڑ کو عبور کیا) راستہ طے کرنے میں پورا ایک دن صرف ہوتا تھا، جب موسم گرما شروع ہوا اسوقت کارواں پہاڑی راستہ سے گذرا، اونٹوں کے پیروں کے نیچے نمدہ بچھا دیا جاتا تھا تاکہ برف میں دھنس نہ جائیں، بہت سا سامان وزن ہلکا کرنے کے لئے پھینک دیا گیا، بغلان سے نکل کر اندراب گئے، جو زمانہ سابق میں بڑا شہر تھا، مگر اب بے نشان ہے۔ قریب کے ایک گاؤں کی خانقاہ میں اُترے جسکا مہتمم محمد المہروی بڑا ہی نیک اور منکسر المزاج شخص تھا، وہ اُن کے ساتھ کوہ ہندوکش پار ہونے تک چلا، یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ملا، اس پانی سے منہ دھویا تو کھال نکل آئی اور بہت تکلیف اٹھائی۔

بعد ازاں ایک مقام پر ٹھیرے، جو پنج شیر کہلاتا تھا، سابق میں یہاں ایک بڑا اور آباد شہر نیلے پانی کے دریا پر تعمیر ہوا تھا، لیکن چنگیز نے اسکو اور اسکے گرد و نواح کے مقامات کو نیست و نابود کر دیا، ایک پہاڑ پر جسکا نام پشائی تھا، شیخ آتا اولیا (یعنی ولیوں کے باپ) کی خانقاہ ملی اِن بزرگ کا لقب سہ صد سالہ تھا، اپنی عمر ساڑھے تین سو سال کی بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ

ہر سو سال کے بعد ان کے نئے بال اور دانت نکل آتے تھے، واللہ اعلم قیافہ سے تو پچاس ہی برس کا سن معلوم ہوتا تھا، جلد صاف اور تر و تازہ تھی، بڑھاپے کا کوئی اثر نمایاں نہ تھا، اطراف و جوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، خود بھی بڑے خلیق اور مہماں نواز تھے،

یہاں سے نکل کر کارواں پروان پہنچا جہاں امیر بورون تیہ (BURUNTAYH) سے ملاقات ہوئی پھر خیر رخ نامی قصبہ کو گئے، اس کے بعد سلطان محمود بن سبکتگین کے مشہور شہر غزنی کو گئے انسوس ہے کہ اس مشہور شہر کا بڑا حصہ ویران پڑا تھا، (غزنوی سلاطین کے بعد غوری خاندان نے اس شہر کو تباہ کر ڈالا) اس شہر میں سردی بہت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے لوگ موسم سرما میں قندھار چلے جاتے ہیں وہاں سے کابل پہنچے، جو محض قصبہ تھا، اس کے باشندے افغان کہلاتے ہیں انہوں نے کوہ سلیمان کی چوٹیوں اور اس کے دروں پر قبضہ کر رکھا تھا، اسوقت ان کا پیشہ زیادہ تر راہزنی تھا، کابل سے کرماش گئے، راستہ میں افغانوں سے تصادم ہوا پھر ستاش نگر پہنچے جو آباد ترکی ممالک کا آخری مقام تھا، ماہ جولائی میں جبکہ بارش کا پانی گڑھوں میں جمع ہو جاتا تھا سندھ کا صحرا پندرہ دن میں طے کیا، اس صحرا میں بادسموم چلتی ہے جس سے کئی کارواں تباہ ہو جاتے تھے، الحمد للہ یہاں سے بھی خیریت کیساتھ غرہ محرم ۷۳۴ھ (مطابق ۱۲ ستمبر ۱۳۳۳ء) کو پنجاب میں دریائے انڈس (دریائے سندھ) پر پہنچے، ہندوستان کے محکمہ خبر رسانی نے بادشاہ کو کارواں کے آنے کی مفصل اطلاع پہنچادی،

کتابِ دُوم

باب (۷)

جب ابن بطوطہ اور اُس کے ساتھی پنجاب اور سندھ پہنچے تو سلطان ہند کے محکمہ خبر رسانی نے گورنر ملتان کو اُن کے آنے کی اطلاع دی معمولی مسافروں کے لئے سندھ سے پایہ تخت (دہلی) پچاس دن کا سفر تھا۔ مگر محکمہ برید (ڈاک) سے سلطان کو خطوط پانچ روز میں پہنچ جاتے تھے یہاں خطوط رسانی کے دو طریقے تھے، سوار سلطان کے گھوڑوں پر خطوط پہنچاتے تھے، گھوڑے ہر چار میل پر بدلے جاتے تھے پیدل کا طریقہ تھا کہ ہر تہائی حصہ میل پر ایک آباد گاؤں ہوتا تھا، جسکے باہر تین خیمے نصب کئے جاتے تھے، اِن میں کمر بستہ ملازم ڈیڑھ گز لمبی سرے پر گھنگرو بندھی ہوئی چھڑی لئے تیار بیٹھے رہتے تھے، جوں ہی قاصد خط لیکر آیا ایک شخص فوراً اس سے خط لیکر اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی پکڑے تیزی کے ساتھ بھاگتا تھا، اس طرح ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا قاصد بدل بدل کر خط منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا تھا۔ پیدل قاصد اس طریقہ سے سوار قاصدوں

بلد خطوط پہنچایا کرتے تھے، خراسان سے تازہ میوہ بھی کشتیوں میں رکھ کر اس طرح پٹہ (ڈاک)، کے ذریعہ سلطان کے پاس بھیجا جاتا تھا، بزمانہ قیام دکن سلطان کے استعمال کے لئے گنگا کا پانی بھی اسی طریقہ سے دولت آباد بھیجا جاتا تھا، کوئی نو وارد جب ملتان پہنچتا تھا تو اس کی حیثیت کے بموجب وہاں سرکار کی طرف سے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا، اس کے خاندانی حالات کا پتہ تو اچھی طرح چل نہیں سکتا تھا اس لئے اس کے کردار و اعمال اور ظاہری صورت ہی سے اس کی قابلیت وغیرہ کا اندازہ لگایا جاتا تھا، سلطان محمد شاہ اسوقت ہندوستان کا بادشاہ تھا، اس کے مصاحب عہدہ داران دربار، وزراء حکام عدالت اور ایسے عزیز و اقارب جن کا رشتہ شادی بیاہ کے ذریعہ قایم ہوا سب کے سب اجنبی اور بیرونی ممالک کے لوگ تھے، چنانچہ اسی وجہ سے عزیز کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا، اس کی سرکار میں تحفہ و نذرانہ کی مناسبت سے لوگ اعزاز و اکرام پاتے تھے، اس کے مقامی تجار نو وارد اجنبیوں کو مال و اسباب، روپیہ کپڑے گھوڑے وغیرہ قرض دیکر شاہی مناصب و جاگیرات عطا کئے جانے پر اس سے خوب نفع کما لیتے تھے، سلطان کو گھوڑوں اور تیروں کا نذرانہ بہت مقبول تھا، ابن بطوطہ نے زیادہ تر یہی نذرانہ پیش کیا، پنجاب کی ندی عبور کرتے وقت ابن بطوطہ نے پانی کی لمبی گھانس میں پہلی مرتبہ گینڈا دیکھا، دو دن بعد جنانی خوشنما شہر میں داخل ہوئے اس کے باشندے سامرہ کہلاتے تھے، جن کے آبا و اجداد کی نسبت خیال تھا

کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فتح سندھ کے وقت (۷۱۲ء) اس شہر میں سکونت پذیر ہوئے لیکن ان کے متعلق یہ اطلاع کہ وہ کسی کے ساتھ ملکر کھاتا تو درکنار کسی کے سامنے نہیں کھاتے اور اپنے کفو کے باہر شادی نہیں کرتے صاف بتاتی ہے کہ وہ ہندو راجپوت نسل کے تھے، پھر سیوستان آیا، اس شہر کے باہر ریت کا صحرا تھا، جس میں صرف ببول کے ہی درخت نظر آتے تھے، یہاں ندی کے کنارے صرف کدو، چینی، نیشکر اور ٹماٹر کی کاشت ہوتی تھی مچھلی اور بھینس کے دودھ کی افراط ہوتی تھی، گرمی اس شدت کی تھی کہ ایک کپڑا کمر کے گرد لپیٹ کر دوسرا پانی سے تر کرکے پیٹھ پر اور مونڈھے پر اوڑھے بغیر چین نہیں آتا تھا،

اس شہر میں اس نے مشہور عالم علاء الملک خراسانی قاضی ہرات سے ملاقات کی جو اسوقت بادشاہ ہندوستان کی ملازمت میں لاہری کا گورنر مقرر ہوا تھا، ابن بطوطہ اس کے ساتھ لاہری جانے کو تیار ہوگیا، (جس کے کھنڈر لاہری بندر کراچی سے کوئی ۸۷ میل جنوب مشرق واقع ہیں)، گورنر کے پندرہ جہاز تھے، ان میں سے ایک اہورہ کہلاتا تھا، جس کے بیچ میں ایک کیبن یا حجرہ تھا، لکڑی کی سیڑھی کے ذریعے اس میں داخل ہو سکتے تھے، اس کے بالائی حصہ پر گورنر کے بیٹھنے کا مقام تھا، اس جہاز میں بیٹھ کر گورنر اور ابن بطوطہ ندی کے دہانہ پر پہنچے، بندرگاہ میں یمن فارس وغیرہ کے جہاز آکر ٹھیرتے تھے، اس سے سرکاری خزانہ میں اچھا محاصل جمع ہوتا تھا، گورنر کو ان محاصل کا بیسواں حصہ ملتا تھا، سلطان ہند کی طرف سے دوسرے صوبوں

کے گورنروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا، لاہری سے سات میل پر تارنا کا کھنڈر تھا، جس کی نسبت مشہور تھا کہ اس سرزمین کے باشندوں کی بداعمالی کی وجہ سے سب کے سب پتھر بن گئے، (ممکن ہے کہ یہ دیبل کے کھنڈر ہوں جو دریائے سندھ یعنی انڈس کی ایک سابقہ بندرگاہ تھی، کراچی سے ۴۵ میل سمت جنوب مشرق میں) یہاں سے ابن بطوطہ گورنر کے عطا کردہ تحائف و مالی امداد کے ساتھ پہلے بکار اور پھر اوجا کو روانہ ہوا جس کا گورنر جلال الدین الکیجی تھا، اس سے ابن بطوطہ کی دہلی میں بھی ملاقات ہوئی، جب سلطان دولت آباد چلا گیا تو جلال الدین نے ابن بطوطہ کو (جو سلطان کے حکم سے دہلی ہی میں رہا) اپنے گاؤں کا محاصل اس کے سپرد کیا، جس سے اس کو پانچ ہزار دینار ملے، اوجا سے وہ ملتان پایہ تخت سندھ پہنچا،

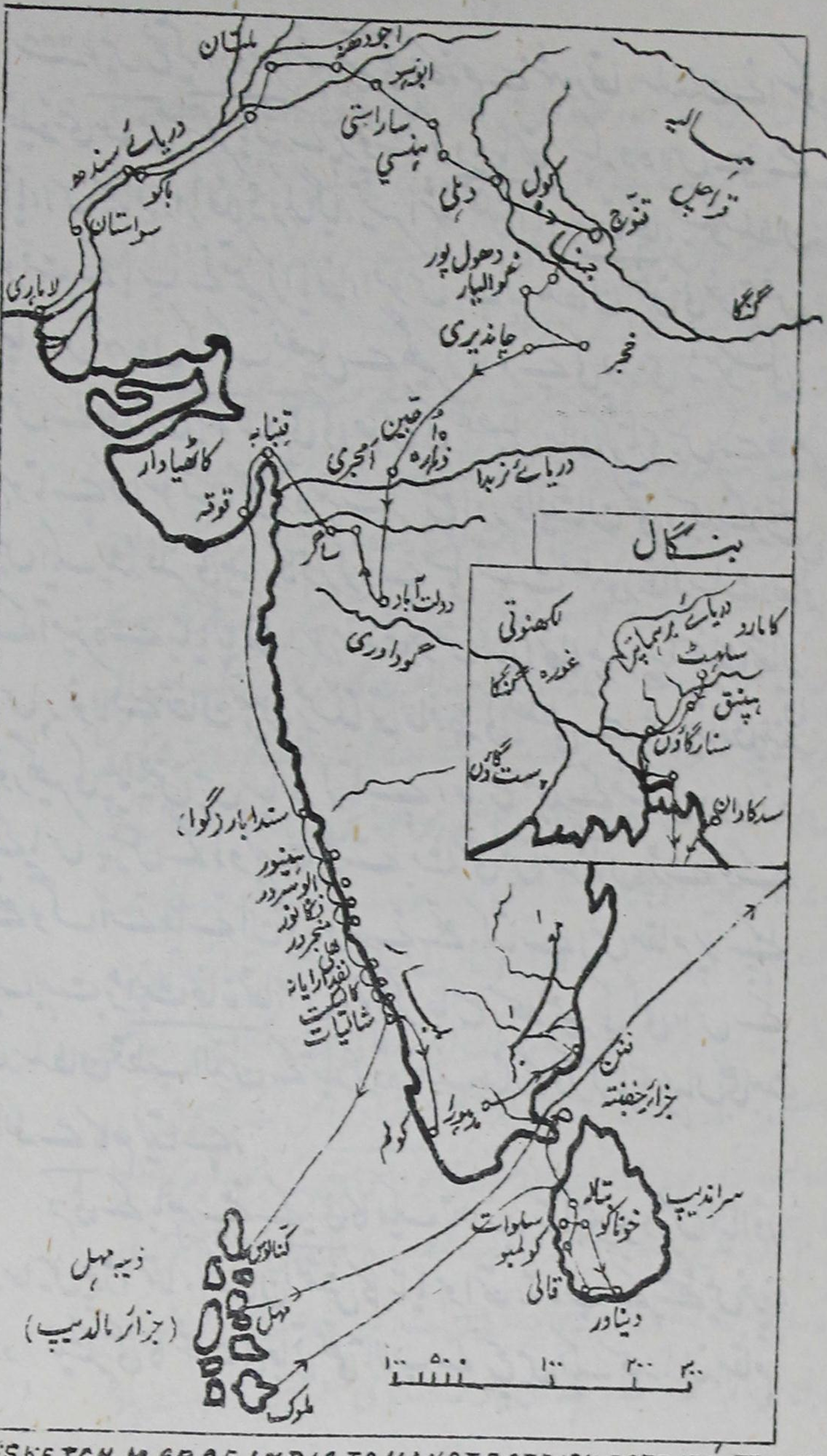
راستہ میں خسرو آباد نامی ندی کو پار کرنا پڑا، یہاں سوداگروں کے مال و اسباب کی تلاشی لیجاتی تھی، اور چوتھائی حصہ بحق سرکار وصول کیا جاتا تھا، علاوہ بر این ہر گھوڑے پر سات دینار محصول مقرر تھا، خوش قسمتی سے گورنر ملتان کا ایک افسر اس وقت وہاں پہنچ گیا، اُس نے ابن بطوطہ کو ان محصولات کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا، صبح صاحب البرید کے ساتھ گورنر ملتان قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بطور ہدیہ ایک سفید فام غلام ایک گھوڑا کچھ منقیٰ اور بادام پیش کئے، یہ میوہ خراسان سے آیا تھا، ہندوستان میں اسکی کاشت نہ ہوتی تھی، اس لئے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، یہاں سلطان خود فوج میں بھرتی ہونے والوں کا معائنہ کرتا تھا، سخت کڑی کمانیں

تیر اندازی کے امتحان کے لیئے ان کو دی جاتی تھیں، اُن کی قوت اور درستی نشانہ کے لحاظ سے ان کو نوکر رکھا جاتا تھا، دو مہینے بعد ابن بطوطہ ملتان گیا، جب سلطان کے درباریوں اور پولس کے افسروں کو معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ سلطان ہند کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے تو خداوندزادہ قاضی ترمذ کی ہمراہی میں اس کو دہلی کی طرف جانے کی اجازت ملی یہ سفر ۴۰ دن کا تھا،

ملتان سے نکلنے کے بعد پہلا شہر ابوہر تھا، اس سے آگے ایک دن کے راستہ کی مسافت کا ایک میدان تھا، جس کے گرد دشوار گزار پہاڑ تھے، ان پہاڑوں میں غدار ہندو رہتے تھے، ابن بطوطہ ذرا دیر کر کے اصل قافلہ کے چلے جانے کے بعد کوئی ۲۲ آدمیوں کے ساتھ نکلا، جو مصلح عرب، ترک اور ایرانی تھے، اس جماعت پر اسّی پیدل اور دو سوار ہندو ڈاکوؤں نے حملہ کیا، اچھی جنگ ہوئی، ڈاکوؤں کے کوئی بارہ پیادے اور ایک سوار مارے گئے، ابن بطوطہ کے ایک او چھا سا تیر کا زخم آیا، جو جلد اچھا ہو گیا، دو دن بعد وہ اجودھن (پاک پٹن) پہنچے جو چھوٹا سا شہر، شیخ فریدالدین نامی بزرگ کی ملکیت سے تھا، (اس راستہ میں پہلے پاک پٹن اور اس کے بعد ابوہر آتا ہے، ابن بطوطہ کے اس بیان میں خفیف سی غلطی ہے) شیخ کی ملاقات سے جب وہ واپس آیا تو معلوم ہوا لوگ ایک عورت کو ستی ہوتے دیکھنے جا رہے تھے، اس رسم سے ہندوستانی بخوبی واقف ہیں، تفصیل بیان کی ضرورت نہیں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ سلطان ہند کی اجازت حاصل کیئے بغیر کوئی ہندو بیوہ ستی نہ ہو سکتی تھی

نہ تو اس کا خاندان اور نہ کوئی برہمن اس کو ستی ہونے کے لئے مجبور کر سکتا تھا، بعض بیوائیں بہ طیب خاطر آگ میں کود پڑتی تھیں۔ ابن بطوطہ نے جب ایک عورت کو اس طرح جلتے دیکھا تو قریب تھا کہ گھوڑے سے غش کھا کر گر پڑتا، ایک ساتھی نے اس کو سنبھال لیا، (یہاں وہ بطور تمثیل بعض ہندوؤں کا حصولِ ثواب کے خیال سے دیدہ و دانستہ دریائے گنگا میں ڈوب کر مرنا بیان کرتا ہے)

ابن بطوطہ اجودہن (پاک پٹن) سے چلکر چار دن بعد سرسوتی پہنچا جس کا ایک عمدہ قسم کا چاول بڑی مقدار میں دہلی بھیجا جاتا تھا، یہاں سے ہانسی گیا جو نہایت خوشنما مضبوط اور فصیل سے آراستہ آباد شہر تھا، دو دن بعد مسعود آباد پہنچ کر وہاں تین دن مقیم رہا، (یہ شہر دہلی سے دس میل واقع تھا اس کے کھنڈر نجف گڈھ سے ایک میل اور پالم کے اسٹیشن سے چھ میل سے جانب مغرب واقع ہیں) سلطان تغلق اس وقت دہلی سے باہر دس دن کے سفر پر قنوج گیا ہوا تھا، سلطان کی والدہ اور وزیر سلطنت شہر میں تھے، وزیر کے اطلاع دینے پر شہر کے قاضی، عالم اور چند امراء ابن بطوطہ اور اسکے ہمراہیوں کو لینے آئے، ان کے ساتھ پالم میں ایک دن ٹھیر کر دہلی آئے۔ اسوقت کی دہلی کی وسعت و عظمت سے متاثر ہو کر ابن بطوطہ بے ساختہ کہتا ہے کہ دہلی تمام دنیائے اسلام میں سب سے بڑا شہر تھا پھر کہتا ہے کہ وہ چار متصل شہروں پر مشتمل تھا جن میں سے قدیم دہلی ہندوؤں کی بنائی ہوئی تھی مسلمانوں نے اسے



SKETCH MAP OF INDIA TO ILLUSTRATE IBN BATTUTA'S TRAVELS

۱۳۱۸ء میں فتح کیا، دوسرا شہر سیری کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اسکو خلیفہ بنی عباس مستنصر باللہ کے پر پوتے کو دیدیا تھا، جبکہ وہ اس سے ملنے آیا، اس کا نام دارالخلافہ رکھا گیا، تیسرا شہر تغلق آباد کہلاتا تھا، جسکو سلطان وقت کے باپ نے تعمیر کرایا تھا، افسوس ہے کہ سلطان تغلق کی خواہش چاروں شہروں کو ایک فصیل سے گھیر کر ملا دینے کی پوری نہ ہوسکی، اس کے بعد ابن بطوطہ دہلی کی جامع کی تفصیل بیان کرتا ہی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسوقت بھی وہ بہت وسیع اور عالیشان تھی، مسجد کے صحن میں ایک بلند فلنری مینار کا ذکر کرتا ہے جسکی نسبت مشہور تھا کہ سات دھاتو کے آمیزہ سے بنایا گیا تھا، (جو ہفت جوش کہلاتا تھا) مینار ایسا سخت تھا کہ اس پر فولاد سے نشان نہیں پڑ سکتا تھا حافظہ کی غلطی سے اس مینار کی بلندی اور گھیر کی پیمایش میں مبالغہ کرتا ہے، جامع مسجد کے مشرقی دروازہ کے پاس پیتل کے دو بہت بڑے بت مٹی میں سرنگوں پڑے ہوئے تھے لوگ آتے جاتے ان کو روندتے تھے. کہتا ہے اس مقام پر پہلے ایک بہت بڑا بت خانہ تھا، اس کو توڑ کر جامع مسجد تعمیر کی گئی، اس کے بعد سلطان قطب الدین کے تیار کردہ قطب مینار کا ذکر کرتا ہی، یہاں بھی بہت مبالغہ سے کام لیتا ہے،

دہلی کے باہر پینے کے پانی کا ایک تالاب بتاتا ہی جو دو میل لمبا اور آدھا میل چوڑا تھا، سلطان التمش کا بنایا ہوا تھا، تالاب کے پیٹھے میں خربزہ کدو، نیشکر کی کاشت کی جاتی تھی تالاب کے بیچ میں ایک مسجد، بلند مقام

پر خانقاہ تھی، دہلی کے مشہور عابدوں میں کمال الدین نامی ایک بزرگ تھے، جو صاحب کہف کہلاتے تھے، ان کے مشورہ کے بموجب ابن بطوطہ اپنے ایک مغرور غلام کو واپس نہ لینے کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بالآخر اُس غلام نے اپنے نئے آقا کو قتل کر دیا۔

سلطان محمد بن تغلق کی سیرت اور طرز حکومت کی سچی تصویر کھینچ کر بتاتا ہے، کہتا ہے کہ وہ جتنا فیاض تھا اتنا ہی خونریز بھی تھا، سلطان کا محل دہلی میں دار سرا کہلاتا تھا، پھر شاہی محلات دربار کے دالان (ہزار ستون) اور آداب نشست و برخاست دربار وغیرہ کی تفصیل بیان کرتا ہے، سلطان کی فیاضی کے ضمن میں شہاب الدین گازرونی ایک سوداگر کا ذکر کرتا ہے جو سلطان کی خدمت میں تحفے لے کر آ رہا تھا، راستہ میں چوروں نے اس کو لوٹ لیا، سُلطان کو اس کا علم ہوا تو بیش بہا انعام عطا کیا، پھر جب وہ بیمار ہو گیا، تو خزانہ سے ایک لاکھ سونے کے تنگے روانہ کئے، ایک تنگہ کی قیمت مراکش کے تقریباً ڈھائی دینار کے مساوی تھی، شہابُ الدین صحت پا کر جزیرہ ہرمز کو چلا گیا اور وہاں ایک عالی شان مکان تیار کیا لیکن افسوس ہے کہ اسکی ساری دولت بادشاہ ہرمز اور اُس کے بھتیجوں کی جنگ میں لٹ گئی، اور وہ سُلطان شیراز ابو اسحاق کے رحم و کرم کا محتاج ہو گیا، حکیم شمس الدین نے ۲۷ شعر کا ایک قصیدہ سلطان محمد بن تغلق کی تعریف میں بزبان فارسی لکھ بھیجا، سلطان نے اس کے صلہ میں فی شعر ایک ہزار نقرئی دینار عطا کئے، پہلے کسی بادشاہ نے فی شعر ہزار درہم سے زیادہ

نہیں عطا کئے۔ قاضی مجد الدین شیرازی کو بھی (جسکا قبل ازیں ذکر آچکا ہے اس نے دس ہزار نقرئی دینار عطا کئے، برہان الدین ساغرجی (قریب سمرقند مشہور واعظ کو بھی ۴۰ ہزار دینار بھیجکر دربار میں آنے کی دعوت دی، لیکن چونکہ وہاں علمار کو بھی بادشاہ کے سامنے کھڑا رہنا پڑتا تھا، برہان الدین نے رقم لے کر اپنے قرضے چکا دیئے، اور خطا کو چلا گیا، سلطان کے خلاف قاضی وقت کے سامنے کئی شکایتیں پیش ہوئیں، طلبی ہوئی تو پا پیادہ قاضی کے در میں حاضر ہو کر احکام دار القضار کی تعمیل کی، اس زمانہ کے مشہور قحط میں ہر متنفس کو بادشاہ کی طرف سے چھ چھ مہینہ کا غلہ عطا کیا گیا، لیکن اسکے ساتھ ہی روزانہ سیکڑوں آدمی سلطان کے حکم سے سزا پاتے قید اور قتل کئے جاتے، اس کے سوتیلے بھائی مسعود خان (جس کی ماں سلطان علار الدین کی بیٹی تھی)، کے ظالمانہ قتل کا قصہ بیان کرتا ہے، سلطان کے نام پر سب سے بڑا دھبہ یہ ہے کہ اُس نے دہلی کے تمام باشندوں کو بیک وقت دکن کی پہاڑیوں میں دولت آباد چلے جانے کا حکم دیا اور لاکھوں آدمی بجبر وہاں منتقل کئے گئے،

جب ابن بطوطہ دہلی میں داخل ہوا تو بادشاہ باہر گیا ہوا تھا، وہ سلطان کی والدہ اور وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر خدمت بجالایا اور تحائف پیش کئے، اس کے صلہ میں وہ بیش بہا عطیات و عنایات سے سرفراز ہوا۔ چنانچہ وزیر نے منجانب سرکار دو تھیلیاں ایک ایک ہزار کی یہ کہہ کر دیں کہ "یہ اس کا سر دھونے کے لئے عطا ہوئیں" ان کے علاوہ

ایک گراں قیمت پشمینہ کا عبا بھی عنایت ہوا پھر سلطان کی طرف سے مہمانداری کا سامانِ خورد نوش بھی مقرر ہوا اور بعد میں پانچ ہزار دینار سالانہ آمدنی کے گاؤں بھی عطا ہوئے،

چوتھی شوال مطابق پانچ جون ۱۳۳۸ء) کو سُلطان قلعہ تلپٹ (دہلی سے سات میل پر) واپس ہوا، دربار شاہی میں مولانا بدرالدّین کے نام سے اُس کا تعارف کرایا گیا، سلطان نے بڑی مہربانی سے زبان فارسی میں اس سے گفتگو کی، حالاتِ سفر پُوچھے اگر ابن بطوطہ چاہتا تو قلمدان وزارت سے سرفراز ہوتا اس لئے کہ بیرونِ ہند بلادِ اسلام سے آنے والے افراد ہی کا اس زمانہ میں حکومت ہند کی بڑی خدمات پر تقرر عمل میں آتا تھا لیکن اس نے وزارت سے انکار کر کے قضاۃ پر اکتفا کیا، دہلی کے مسلمانان فرقہ مالکی کا قاضی مقرر ہوا۔ مشاہرہ وجاگیر کا بھی حکم سنایا گیا، لیکن انکی عملی اجرائی میں عموماً دیر ہوا کرتی تھی اس لئے ابن بطوطہ کے قرض خواہوں نے اسکو تنگ کیا اور بادشاہ تک اِس کی شکایت پہنچی، بالآخر بوضع دس فیصدی (حسب معمول مقررہ) اس کے مناصب اور تنخواہ وغیرہ جاری کر دے گئے،

جمادی الاولیٰ کی نویں تاریخ (۲۱ اکتوبر ۱۳۴۱ء) کو سلطان کورومنڈل کے ساحل (معبر) کے ایک باغی کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ جاتے ہوئے سلطان قطبُ الدّین کے مقبرہ کی نگرانی بھی ابن بطوطہ کے تفویض کی، وقف کی آمدنی کم تھی اور ملازمین کی تعداد زیادہ معہذا ابن بطوطہ اسراف

کا بھی خوگر ہوگیا تھا، سلطان نے ان تمام امور کے پیش نظر اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کرکے اسراف سے پرہیز کرنے کی نصیحت کی سلطان کے غیاب میں سخت قحط نازل ہوا، لیکن ابن بطوطہ نے سلطان کے عطیات کو غریبوں اور مسکینوں کے خورد و نوش پر صرف کرکے خلق اللہ کی خدمت کی اور نیک نامی حاصل کی،

معبر کی مہم میں افواج شاہی کا بیشتر حصہ وبائی بیماری میں مبتلا ہوگیا، اس لئے وہاں سے واپس ہونا پڑا، پھر اودھ کے گورنر کی بغاوت فرو کرنے کے لئے دریائے گنگا پر کیمپ قایم کیا گیا، ابن بطوطہ بھی اس مہم میں سلطان کے ساتھ شریک تھا، اور اسی کے ساتھ دہلی واپس آیا، چونکہ ابن بطوطہ نے سلطان مسلمہ مخالف شیخ شہاب الدین سے شہر کے باہر ایک غار میں جاکر ملاقات کی، اس لئے سلطان اس سے بدظن ہوگیا، اور اس کو سزا دینی چاہی اس نے مسلسل پانچ یوم کا روزہ رکھا، اور صرف پانی پر اکتفا کیا، تمام وقت تلاوت قرآن مجید کرتا رہا، پھر مزید چار یوم کا روزہ رکھا، اس اثناء میں شیخ شہاب الدین کی موت واقع ہوئی، اور ابن بطوطہ رہا کردیا گیا، پھر اس نے صاحب کہف امام کمال الدین کے حلقہ اطاعت میں شریک ہوکر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی، سلطان اسوقت سندھ میں تھا، یہ خبر سنکر اس کو طلب کیا، اور اس کی سابقہ ملازمت پر مامور کرنا چاہا وہ فقیروں کے لباس میں حاضر ہوا اور مکہ معظمہ جانے کی اجازت چاہی چنانچہ ختم جمادی الثانیہ ۷۴۲ھ (اوائل دسمبر ۱۳۴۱ء) میں سلطان نے اس کی اجازت دیدی لیکن ۴۰ دن بعد پھر اسکو تحفے بھیجکر دربار میں طلب کیا اور چین کے بادشاہ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجنا چاہا،

باب (۸)

چین کے بادشاہ نے سلطان محمد بن تغلق کے پاس قیمتی تحفے بھیجکر (جن میں بطور خاص قابل ذکر جملہ ایک سو غلام اور لونڈیاں ۵۰۰ مخمل اور ریشمی کپڑے کے تھان، مرصع ملبوسات اور اسلحہ تھے) درخواست کی تھی کہ قراچیل (کوہ ہمالہ) کے قریب بمقام سنبھل (واقع روہیلکھنڈ دہلی سے تقریباً ۸۰ میل) جو بتخانہ مسلمانوں کی ہندوستانی فوج نے توڑ دیا تھا، اس کی تعمیر کی اجازت عطا ہو، سلطان نے تحائف قبول کر کے جواب دیا کہ از روے احکام اسلامی یہ اجازت اسی وقت مل سکے گی جب کہ بادشاہ چین جزیہ عطا کرے گا، دربار چین سے آئے ہوئے تحفوں سے زیادہ قیمتی تحفے معین کیے گئے جن میں عمدہ نسل کے ۱۰۰ گھوڑے، ۱۰۰ سفید فام غلام، ۱۰۰ ہندو ناچنے اور گانے والی عورتیں، ۱۲۰۰ مختلف قسم کے کپڑوں کے تھان، سونے اور چاندی کے شمعدان، مرصع لباس، ٹوپیاں، زرکش تلواریں اور موتی جڑے ہوئے دستانے اور ۱۵ خواجہ سرا شامل تھے،

ابن بطوطہ کے ساتھ دو اور سفیر تھے، ایک عالم متبحر، امیر ظہیر الدین زنجانی، اور دوسرا خواجہ سرا کافور، تحائف خواجہ سرا ہی کی تحویل میں تھے ہرات کے امیر محمد کو ایک ہزار سوار کے ساتھ وفد کو بندرگاہ تک پہنچانے کا حکم دیا گیا، چینی سفرا بھی (جن کی تعداد ۱۵، اور نوکر وغیرہ ملا کر ۱۰۰ آدمی تھے) اسی وفد کے ساتھ ہو گئے۔

قافلہ ۱۷ صفر ۷۴۳ھ (۲۲ جولائی ۱۳۴۲ء) کو مبارک تاریخ سمجھ کر نکلا، پہلے دن تلپٹ میں قیام رہا پھر بیانا (جس کی مسجد بہت شاندار تھی) ہوتے ہوئے کوئل (علی گڑھ) کے میدان میں خیمے نصب کیے گئے، اس وقت ہندو غداروں کی ایک جماعت الجلالی (قصبہ جلالی ضلع علی گڈھ) نام والے ایک شہر کو جو کوئل سے سات میل (دراصل گیارہ میل) پر واقع تھا گھیر کر قریب تھا کہ اس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتی، غداروں کو شاہی قافلہ کے آنے کا علم نہ تھا، اگرچہ ان کی تعداد ایک ہزار سوار اور تین ہزار پیادہ تھی قافلہ اور اسکی شاہی فوج نے ان پر حملہ کرکے سبھوں کو تہ تیغ کیا، اور ان کے گھوڑے اور ہتیار لے لئے، قافلہ کے ۲۳ سوار اور ۵۵ پیادے سپاہی شہید ہوئے جن میں خواجہ سرا کافور بھی شامل تھا، سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر حکم کے انتظار میں وہیں قیام کیا گیا، لیکن ہر روز باغیوں سے چھڑپ جاری رہی (دہلی سے ایک سو میل کے اندر ہی ملک میں یہ بدامنی صاف بتاتی ہے کہ محمد بن تغلق کی سلطنت کس قدر مخدوش حالت میں تھی)

ایک مرتبہ ابن بطوطہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک باغ میں دوپہر کے وقت موسم گرما کی وجہ سے سونے کے لئے گیا، چیخ و پکار کی آواز سنکر اٹھا تو دیکھا، وہی ہندو باغی شرارت کر رہے ہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر غداروں کی منتشر ٹکڑیوں کے تعاقب میں چھوٹے چھوٹے دستے بن کر نکلے، ابن بطوطہ کے ساتھ پانچ سوار تھے، اچانک ان کے اوپر ایک جھاڑی کے پیچھے سے سواروں اور پیادہ

غدّاروں کی ایک جماعت ٹوٹ پڑی، بھاگنے کے سوا چارہ نہ تھا، کوئی دس ہندوؤں نے اس اکیلے کا پیچھا کیا، بالآخر اُن میں سے تین ہی رہ گئے زمین ناہموار تھی، ابن بطوطہ کے گھوڑے کا پاؤں پتھروں میں پھنس گیا، اُتر کر گھوڑے کا پاؤں پتھروں میں سے نکالا، مرصع تلوار میان سے گر پڑی، اُسکو بھی اُٹھا کر پیٹھ سے باندھنا پڑا، ڈاکو تعاقب کر رہے تھے، آخر ایک عمیق نالہ کے پاس گھوڑے پر سے اتر پڑا، اور نالہ کی تہ میں چھپ گیا۔ پاس کی وادی میں جھاڑیوں کی کثرت تھی، راستہ معلوم نہ تھا، جدھر سوجھا چلا گیا، اتنے میں چالیس لٹیروں نے اس کو گھیر لیا، ان کے ساتھ تیر و کمان تھے جتنا سامان اور لباس وغیرہ اُس کے جسم پر تھا سب چھین لیا صرف کرتہ، پائجامہ اور عبا، چھوڑ دی، اس کے بعد ڈاکو اس کو پکڑ کر ایک تالاب کے کنارے لے گئے، ان میں دو مسلمان تھے، زبان فارسی میں انھوں نے ابن بطوطہ سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، اُس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ سلطان کا ایلچی ہے، ڈاکو چاہتے تھے کہ اس کو قتل کر دیں، اتفاق سے اُن میں ایک خوش وضع نوجوان تھا اس نے ابن بطوطہ پر ترس کھا کر اس کو رہا کر دیا، اس مہربانی کے بدلے میں اس نے نوجوان کو اپنی عبا دے دی اور اس نے اپنا موٹا دوہرا کملوکمہ اس کو پہنا دیا، اور آبادی کا راستہ بتایا، ابن بطوطہ ڈرا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو پیچھے سے آکر مار ڈالیں، وہیں ایک جھاڑی میں شام تک چھپا رہا، اس کے بعد نوجوان کے بتائے ہوئے راستہ پر لگ گیا، ایک نہر کا پانی پی کر آگے بڑھا، رات کو ٹیلہ کے نیچے سو گیا، صبح کو پتھروں سے بندش کی ہوئی

ایک باولی میں اتر کر پانی پیا، اس میں کچھ سرسوں کے پودے کسی نے گرا دیئے
تھے اُن کو جمع کر کے اپنا پیٹ بھرا، تکلیف سہتا، مصیبت جھیلتا ایک
گنبد میں داخل ہوا اس میں پرندوں نے کچھ گھاس جمع کر رکھی تھی، رات کو
اسی پر لیٹ گیا، کسی جانور کی حرکت محسوس ہوئی شاید سانپ ہوگا،
لیکن تکان اور نیند اس قدر غالب تھی کہ اس کی پروانہ کی اور سو گیا،
صبح اٹھ کر آگے کو چلا، ایک مرتبہ پھر ڈاکو ملے، اتنا تھک گیا تھا کہ ایک
ڈاکو نے تلوار کھینچ کر مارنا چاہا بھی تو اس کی پروانہ کی، اس نے اس کا وہ قمیص
بھی اتار لیا جس کی آستینوں کے کف ابن بطوطہ نے قبل ازیں ڈاکوؤں کے
ایک آدمی کو دے دیئے تھے، تاکہ انہیں یقین دلایا جائے کہ وہ دراصل
قتل کر دیا گیا تھا، آٹھ دن اسی طرح چلتا رہا، راستہ میں ایک کنواں ملا،
پیاس سے اس کا برا حال ہو رہا تھا، کنوئیں کے منہ پر ایک رسی تو تھی
مگر ڈول نہ تھا، ابن بطوطہ نے اپنا ایک کپڑا رسی سے باندھ کر کنوئیں کے
اندر ڈالا، جب کپڑا تر ہو گیا، تو اوپر کھینچ کر بھیگے کپڑے کا پانی اپنے منہ میں
نچوڑا، اس سے سیری نہ ہوئی تو پیر سے ایک جوتہ نکال کر پانی کنوئیں
سے حاصل کیا اور پی گیا، دوسری مرتبہ جب جوتہ باؤلی میں ڈالا تو رسی
ٹوٹ گئی، دوسرا جوتا باندھ کر پانی حاصل کیا اور پی کر اپنی پیاس بجھائی
اس اثناء میں ایک سیاہ فام آدمی وہاں پہنچا، اسلامی طریقہ پر سلام کر کے
ابن بطوطہ سے فارسی میں پوچھا کہ تم کون ہو اُس نے کہا بھولا ہوا مسافر
نام محمد بتایا، نو وارد نے اپنا نام دلشاد بتایا، کنوئیں میں رسی کے ذریعہ گھڑا

ڈال کر پانی اوپر کھینچا، اور کمر سے کھول کر ایک تھیلی نکالی جس میں کالے بٹانے اور چاول تھے، ابن بطوطہ سے کہا پیٹ بھر کر کھالو اور پھر پانی پیو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو ابن بطوطہ مارے تکان کے اُٹھ نہ سکا، دلشاد نے اسیوقت اللہ کا نام لیکر اس کو اپنے کندھے پر بٹھالیا، اور ایک گاؤں کا رستہ لیا، ابن بطوطہ پر غنودگی طاری ہو گئی تھی، جب ہوش آیا تو دیکھا اکیلا ایک گاؤں میں لیٹا ہوا ہے۔ گاؤں ہندوں کا تھا، مگر حاکم مسلمان تھا، حاکم بعد کو ملنے آیا اور گاؤں کا نام تاج پور بتایا، کوئل وہاں سے دو فرسنگ تھا، حاکم نے ابن بطوطہ کو وہ کپڑے بھی دئے جو اس نے قبل ازیں کوئل میں ایک عرب کے سپرد کئے تھے دلشاد کی بروقت غیبی امداد پر جب ابن بطوطہ نے غور کیا تو اس کو ابو عبداللہ المرشدی کی وہ پیشین گوئی یاد آئی جو اُنہوں نے اسکے ہندوستان آنے سے پہلے کی تھی، اور جو بالآخر سچی ثابت ہوئی۔ کوئل سے اطلاع ملی اس اثنا میں سلطان نے تحائف سنبل نامی ایک دوسرے خواجہ سرا کے سپرد کئے، اور سفر جاری رکھنے کا حکم دیا، اگرچہ اہل قافلہ ڈر کر واپس ہوا چاہتے تھے، ابن بطوطہ نے ان کو اس سے باز رکھا۔

برج پور میں ایک تارک الدنیا بزرگ محمد برہنہ کی خانقاہ ملی یہ بزرگ صرف ایک تہبند باندھا کرتے تھے۔ اس لئے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا، اہل قافلہ کالی ندی (رود سیاہ) کو پار کرکے قنوج پہنچے۔ اس کے بعد ادہر بعر ہر کھ (گنگا) پار کرکے مشرق میں یہاں کی آبادی غیر مسلم تھی مگر

حاکم مسلمان تھے، مرتھ کے ہندو مضبوط جسم کے تھے۔ ان کی عورتیں بہت حسین تھیں، بعد ازاں قافلہ علی پور پہنچا، یہاں سے ایک دن کے راستہ پر پنم نامی (ایک غیر مسلم امیر راجہ دھول پور) کی ریاست تھی جس میں سے دریائے چنبل بہتا تھا، گوالیار کے محاصرے میں وہ مارا گیا، علی پور کا گورنر سلطان کا ایک حبشی غلام بدر نامی تھا بڑا ہی بہادر اور غیر معمولی ڈیل ڈول کا آدمی تھا مشہور تھا کہ وقت واحد میں وہ ایک پورے بکرے کا گوشت کھا لیتا تھا، اور اُس پر تین پاؤ گھی پی جاتا تھا۔ کفار اس سے بہت ڈرتے تھے، افسوس کہ ایک مرتبہ اُس کا گھوڑا گڑھے میں گر جانے سے ہندوؤں نے اس کو گھیر کر مار ڈالا۔ اس کا بیٹا بھی بڑا بہادر تھا، یہاں سے یہ لوگ گوالیار گئے، جس کا مضبوط قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، دروازہ پر پتھر کا ایک ہاتھی اور مہاوت تراشے گئے تھے، اس شہر سے چل کر پروان میں آئے، یہاں شیر بکثرت تھے، ایک شیر رات کے وقت شہر کے دروازے بند کئے جانے پر بھی اندر آجاتا تھا، اور آدمیوں کو مار ڈالتا تھا، عام عقیدہ تھا کہ وہ شیر نہیں بلکہ ایک جوگی تھا، جو شیر کی شکل میں آتا تھا، پھر جوگیوں کی نسبت جو قصے اسوقت رائج تھے بیان کرتا ہے، مثلاً بند گڑھے کے اندر (صرف ہوا کے آنے جانے کا راستہ چھوڑ کر) مہینوں بلکہ ایک موقعہ پر کامل ایک سال تک بغیر کھانے پانی کے (محض اپنی بنائی ہوئی ایک گولی استعمال کر کے) زندہ رہنا غیب کی باتیں بیان کرنا، بعض کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اگر وہ کسی شخص کو گھور کر دیکھے

تو وہ فوراً زمین پر گر کے مرجائے۔ مُردے کا سینہ چاک کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ
دل بالکل غائب تھا، سمجھا جاتا تھا کہ جادوگر اس آدمی کے دل کو کھا جاتا تھا
یہ قصے جادوگرنیوں سے متعلق زیادہ سننے میں آتے تھے[1] جو کفتار کہلاتی
تھیں، دہلی کے قحط میں ایک عورت گرفتار کر کے لائی گئی۔ اس پر الزام لگایا گیا
تھا کہ وہ ایک لڑکے کا دل کھا گئی، عہدے دار مجاز نے اس کے ہاتھ اور پاؤں
پانی کے بھرے ہوئے گھڑوں سے مضبوط باندھ کر اس کو دریائے جمنا میں
ڈالدیا تاکہ ڈوب جائے لیکن وہ یوں ہی تیرتی رہی تب یقین کر لیا گیا کہ وہ
کفتار تھی، آخر وہ آگ میں ڈالکر جلا دی گئی۔ لوگ اس کی راکھ جمع کر کے لے گئے
عام عقیدہ تھا کہ اس راکھ کے دھوئیں سے انسان کفتاروں کے جادو سے محفوظ
رہتا ہے

اس ضمن میں ابن بطوطہ بیان کرتا ہے کہ سلطان نے دہلی میں ایک مرتبہ
اس کو اپنے کمرہ خاص میں بلا کر دو جوگیوں کے کرشمے دکھلائے، ایک جوگی
زمین پر چہار زانو بیٹھ گیا، اور اسی حالت میں زمین سے خود بخود اوپر کی طرف
اتنا بلند ہوا کہ لوگوں کے سروں سے بھی اونچا ہو گیا، ابن بطوطہ یہ دیکھ کر غش
کی حالت میں گر پڑا کچھ دوا پلانے پر اس کو ہوش آیا۔ جوگی اس اثناء میں ہوا
ہی میں معلق بیٹھا رہا۔ پھر دوسرے جوگی نے اپنا ایک کھڑاؤں تھیلی سے
نکال کر دیوانہ وار زمین پر مارنا شروع کیا، کھڑاؤں بھی بالآخر معلق ہوا میں
اُٹھا گیا حتیٰ کہ پہلے جوگی کی گردن تک پہنچ کر آپ سے آپ اُسے ضربیں لگائیں

---

[1] مارواڑ میں اب بھی ایسی عورتیں ڈاکن کے نام سے پائی جاتی ہیں۔

اب پہلے جوگی نے کھڑاؤں کی ضربیں کھاکر آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع کیا اور بالآخر زمین پر سب کی طرح بیٹھ گیا، سلطان نے فرمایا اگر ابن بطوطہ کے پاگل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اُن جوگیوں سے اِس سے زیادہ حیرت انگیز تماشہ کراکر دکھاتا،

تنقید منجانب راقم الحروف

ہوا میں کسی بھاری جسم کو قوت جاذبہ زمین کے خلاف کچھ دیر تک بغیر کسی سہارے کے قایم رکھنا طبیعیات کے کلیات کے لحاظ سے صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ جاذبہ زمین کے مخالف ایک دوسری مساوی قوت عمل کرتی ہے۔ جوگی کی اس حیرت انگیز عمل کی توجیہ کی کوشش محض ایسے تحریری بیانات کے مدِ نظر بے سود ہے،

بعض انگریزی اور امریکی مصنفین نے بھی اِس قسم کے چند واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ای۔ بی۔ ہیول (E.B. HAVELL) اپنی کتاب بنارس دی سیکریڈ سٹی میں جس کو بلیکی اینڈ سن۔ لندن نے شائع کیا ہے صفحات ۱۱۷ و ۱۱۸ پر جوگیوں کے مبینہ خرق عادت اعمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ بعض اہل مشرق کا عقیدہ ہے کہ بلا سہارے ہوا میں معلق کوئی شخص صرف اپنی روحانی قوت کی مدد سے جو ریاضت کے ذریعہ اُسکو حاصل ہوتی ہے ٹھیر سکتا ہے۔ انیسویں صدی کا اس نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جو اسکے سامنے پیش آیا۔ لیکن اس سے اس کے شکوک رفع نہ ہو سکے

وہ کہتا ہے کہ ۱۸۸۲ء جبکہ مقام مدراس کے ضلع کرنول کے ایک

قصبہ میں اسکے زیر صدارت ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی منائی جارہی تھی وہاں کے ایک مشہور جوگی نے بھرے مجمع کے سامنے ایسا عمل کرکے بتایا، وہ کہتا ہے کہ جوگی ایک پردے کے پیچھے چہار زانو بیٹھ گیا، جب پردہ ہٹادیا گیا تو جوگی غش یا مراقبہ کی حالت میں زمین سے کئی فٹ بلندی پر معلق بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ کوئی پندرہ منٹ تک وہ اسی حالت میں نظر آیا۔ اسکے بعد پھر پردہ باندھ دیا گیا، اور جوگی نیچے اُتر آیا،

مارچ ۱۸۲۹ء کے ایشیاٹک ماہواری جرنل میں سر مونیر ولیم نے اپنے مقالہ انڈین وزڈم (INDIAN WISDOM) میں بیان کیا ہے کہ ایک برہمن گورنر مدراس کے سامنے بحالتِ غش یا مراقبہ چالیس منٹ تک ہوا میں معلق چہار زانو بیٹھا رہا۔ یہ شخص بھی پردہ ہی کے پیچھے ہوا میں اٹھا۔ ہیول کہتا ہے کہ پردہ کے استعمال سے شعبدہ بازی کا احتمال ہے ابن بطوطہ کے بیان میں پردہ کا بطور خاص ذکر نہیں پایا گیا، معلق متحرک کھڑاؤں کی ضربوں کے ذریعے جوگی کا ہوا سے زمین پر اُتر آنا اگر شعبدہ بازی ہی ہے تو نہایت تعجب خیز شعبدہ ہے ہپنوٹزم (HYPNOTISM) کی مدد سے سارے مجمع کو متاثر کرکے دیکھنے والوں کے دلوں میں کسی خرقِ عادت فعل کا یقین پیدا کرانا بعید از فہم بات نہیں ہے،

امریکہ کے ڈاکٹر الیکسس کیریل (ALEXIS CARREL) نے طب کے ایک نوبل پرائز میں اپنی حالیہ پُرمغز کتاب (MAN THE UNKNOWN HAMISH HAMILTON PUBLISHER)

میں لورڈے (LOURDES) فرانس کی مشہور دار الشفار میں دعار کے ذریعے بیماروں کا دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے شفا پانا، انھی حالات کے ساتھ جو دوا یا عمل جراحی کی صورت میں رونما ہوتے ہیں لیکن زیادہ تیزی رفتار سے (صفحہ ۱۴۵ پر، مفصّل طور پر بیان کیا ہے۔ وہ بعض تارک الدنیا اشخاص کے ہوا میں جوگیوں کی طرح معلق بیٹھنے اور دوسرے بھاری اجسام کے دیر تک معلّق قایم رہنے کی مشہور قرون وسطیٰ والی روایتوں کا بھی ذکر کرتا ہے، بہرحال یہ امور سنجیدہ انسان کے غور کے قابل ہیں۔ ان کو محض دھوکہ یا شعبدہ تصوّر کرنے سے ان کا معما حل نہیں ہوسکتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی صحیح توجیہ ہوگی کلیات فطرت کے خلاف نہ ہوگی لیکن انسان ابھی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اُس نے فطرت کے (اور علی الخصوص حیاتیات (BEOLOGY) کے) سارے کلیات دریافت کرلئے۔

وفد کے حالات سفر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ پروان سے گجرا پہنچا (پروان تو دراصل افغانستان کے ایک شہر کا نام ہے)، اس مقام کا حقیقی نام غالباً نردور تھا جو گوالیار میں واقع ہے، ابن بطوطہ ہندی غیر مانوس ناموں کو اسلامی ممالک کے مشہور ناموں سے یاد کرتا ہے، دورِ حاضر کے نقشوں میں، نردور کے شمال مشرق میں ۲۵ میل اور گوالیار سے ۳۰ میل جنوب میں ایک مقام پروائی نام کا بھی موجود ہے، گجرا بلاشبہ کجوراہو نہ

جو چھتر پور سے ۷۰ میل جانب مشرق اور پنا سے ۵۰ میل شمال مغرب کی طرف ہے) وہاں کے تالاب کے بند پر کئی مندر تھے جن کے بتوں کو مسلمانوں نے توڑ دیا تھا، اس جگہ سے چل کر قافلہ چندیری ہوتے ہوئے دھار پہنچا جو مالوہ کے وسیع صوبہ کا سب سے بڑا شہر تھا، یہ دہلی سے ۲۴ دن کی راہ ہے، راستہ کے دونوں طرف مینار نصب تھے۔ جن پر فاصلہ کندہ کئے گئے تھے۔ (اسے چاہیئے تھا دھار سے پہلے اُجین کا ذکر کرتا غلطی سے کہتا ہے کہ وہاں بعد کو پہنچا) بالآخر دولت آباد میں داخل ہوا جو ہنوز زیر تعمیر تھا اور وسعت میں دہلی سے کم نہ تھا، اس کے تین حصّے تھے ایک سلطان اور اس کی فوج کے لئے مخصوص تھا، دوسرا حصّہ کٹکا کہلاتا تھا تیسرا قلعہ دیوگڑھ تھا،

دولت آباد میں سلطان محمد بن تغلق کا اتالیق قتلو خاں بطور حاکم دنائب سلطان ساغر و تلنگانہ و دیگر ممالک تحت کی حکومت پر مامور تھا، دیوگڑھ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا تھا، جہاں ایک بڑی چرمی سیڑھی (کمند) سے رسائی ہو سکتی تھی رات کو سیڑھی اٹھالی جاتی تھی، اس قلعہ کے تہ خانوں میں قلیچ جرم مول کے مرتکب قید کئے جاتے تھے جہاں کے چوہے بلیوں سے بھی بڑے تھے، شہر کے باشندے مرہٹے تھے۔ ان کی عورتیں بڑی حسین تھیں، ان کی ناک اور بھویں خصوصاً بہت خوبصورت تھیں۔ شہر کے اندر زیادہ تر دولتمند جوہری رہتے تھے، گویوں اور گائنوں کے لئے بھی ایک بازار مخصوص تھا، جس کے بیچ میں قالینوں سے آراستہ ایک عمارت تھی جہاں ہر پنجشنبہ

کو بعد نماز عصر گویّوں کا سردار درباری شان سے بیٹھا تھا، گانے والی عورتیں باری باری سے اس کے سامنے پیش ہو کر مُجرا سناتی تھیں۔ ہندوؤں کی حکومت کے زمانہ میں خود راجہ یہاں بیٹھ کر گانا سنتا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بھی اس رسم کو جاری رکھا،

یہاں سے ایلچیوں کا وفد مرہٹوں کے ایک چھوٹے سے شہر نودربار سے گذرا، کہتا ہے کہ یہاں کے لوگ اچھے صنّاع اور طبیب تھے، ان کے سربرآوردہ لوگ برہمن اور کشتری ذات کے تھے، ان کی غذا ترکاری اور سم دتل، کا تیل تھی، یہ گوشت نہیں کھاتے تھے اور کھانے سے پہلے بالالتزام نہایا کرتے تھے، شراب کا سخت پرہیز تھا، ہند کے مسلمان بھی شراب سے نفرت کرتے تھے پینے والے کو اسّی دُرّے اور تین ماہ قید کی سزا تھی۔ یہاں سے نکل کر وفد دریائے تاپتی کے کنارے سون گرھ (ساغر، پہنچا، پھر کیمبے جو سمندر پر واقع ہے، جب پانی میں مدوجزر ہوتا ہے تو گودی میں پانی آجاتا ہے؛ اور جہاز تیرنے لگتے ہیں۔ وہ اس شہر کی عمارتوں خصوصاً مساجد کی تعریف کرتا ہے، شہر کے اکثر باشندے بیرونی ممالک کے تاجر تھے جو مکانوں اور مساجد کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، وفد پھر خلیج کیمبے کی دوسری جانب کاوا پہنچا، جو ایک ہندو راجہ جالیسنی کے علاقہ میں تھا، (لفظ جالیسنی غالباً راجپوت قوم جالا کن سے منسوب تھا، راجپوتانہ کا ایک حصہ اب بھی جھالاواڑ کہلاتا ہے)

اس کے بعد گندھار نامی ایک بڑے شہر میں داخل ہوا (یہاں بھی اسی راجہ

کی حکومت تھی، لیکن مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کے تحت چنانچہ راجہ ہر سال بادشاہ ہند کو نذرانہ و خراج بھیجتا تھا، ابن بطوطہ گندھار کو قندھار لکھتا ہے، گندھار دھندر نام کی ندی کے دہانے پر واقع ہے) جب وفد وہاں پہنچا تو راجہ خود اس کو لینے کے لئے آیا، پا محل اہل وفد کے رہنے کے لئے خالی کر دیا۔ راجہ کے دربار کے ذی مرتبت سر برآوردہ مسلمان بھی ملنے کے لئے آئے اُن میں خواجہ بوہرا کے لڑکے شامل تھے جن میں سے ابراہیم نامی ایک شخص کے چھ جہاز سمندر پر چلتے تھے،

گندھار پر ابراہیم کے ایک جہاز الجاگیر پر سلطان ہند کے گھوڑوں میں سے ستر گھوڑے سوار کر دیے گئے۔ اور باقی ابن بطوطہ اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کے ساتھ ابراہیم کے بھائی کے جہاز منورت پر، راجہ جالیسی نے ایک جہاز دیا جس پر ظہیر الدین اور سنبل اور اُن کے ساتھیوں کے گھوڑے تھے، راجہ کا بیٹا خود ایک دوسرے جہاز الاقیری پر ساتھ ہولیا، اس پر ساٹھ کشتی کھینے والے تھے جن کی حفاظت کیلئے (دوران جنگ) سائبان پڑا ہوا تھا، ابن بطوطہ الجاگیر پر سوار ہوا اس کے ساتھ پچاس کشتیاں اور پچاس مسلح حبشی تھے، بحیرۂ ہند کے قزاق حبشیوں سے بہت ڈرتے تھے ایک حبشی بھی اگر کسی جہاز پر ہوتا تو ڈر کر اس پر حملہ نہیں کرتے تھے، دو دن بعد وفد جزیرہ بیرام (حالیہ بیرم) کے پاس پہنچا دوسرے دن جہاز شہر قوقا (Gogo) کے قریب لنگر انداز ہوا، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں بیٹھ کر شہر دیکھنے گئے، اس شہر کا راجہ

اپنے آپ کو سلطان ہند کا فرماں بردار بتاتا تھا، لیکن دراصل باغی ہو گیا تھا یہاں سے تین دن کے سفر کے بعد جہاز سندبور کے جزیرہ کے پاس پہنچا، (یہ جزیرہ ۱۳۱۲ء میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا کئی بار ہاتھ سے نکل گیا، مگر پھر آیا، اس کا حالیہ نام گووا (GOA) سولھویں صدی عیسوی سے شہرت پایا) جزیرہ پر ۳۶ گاؤں آباد تھے، سمندر کا پانی جب جزر کے وقت آبنائے سے ہٹ جاتا تو وہاں کا پانی پینے کے قابل میٹھا ہوتا، مد کے وقت کھاری ہو جاتا تھا، دوسرے دن وفد ہونادر (ہنیاور) گیا، جو ایک آبنائے پر واقع ہے۔ برسات یعنی بارش کے موسم میں یہاں سخت طوفان ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے چار ماہ تک یہاں صرف مچھلیاں پکڑنے ہی کی کشتیاں چل سکتی تھیں۔ بردے کے جہازوں کا چلنا قطعاً موقوف ہو جاتا تھا، اس نواح کی تمام عورتیں صرف ایک ساڑھی سے اپنا جسم ڈھانپتی تھیں، خوبصورت اور باعصمت تھیں، ناک میں سونے کی نتھ پہنتی تھیں ان کو قرآن مجید ازبر یاد تھا، ہونادر میں لڑکیوں کے ۱۳ اور لڑکوں کے ۲۳ مدرسے دیکھے گئے۔ ملیبار کے کسی اور شہر میں اتنے مدرسے نہیں پائے گئے، اس کے سلطان کا نام جمال الدین تھا (انگریزی کتاب میں پہلے جلال الدین لکھا گیا بعد کو جمال الدین) بہت نیک اور بہادر تھا، ملیبار کے باشندے اس کو سالانہ ایک معین رقم بطور نذرانہ عطا کرتے تھے۔ اس کی فوج چھ ہزار سوار اور پیادوں پر مشتمل تھی، یہاں رنڈی نہیں کھائی جاتی تھی۔ سب لوگ

ہمیشہ چاول ہی کھایا کرتے تھے،

تین دن بعد جہاز ملیبار کے ساحل پر جا لگا۔ یہ ساحل فلفل اسود یعنی مرچ سیاہ اور دوسری قسم کے مصالحہ کے لئے مشہور ہے اور سندبور (یعنی گوآ) سے کولم (ٹراونکور کا حالیہ نام کویلون (QUILON) پورے دو مہینے کا سفر تھا، ساحل کے بازو تمام راستے پر درختوں کا سایہ تھا، ہر نصف میل پر مسافروں کے بیٹھنے کے لئے ایک حجرہ اور اس میں ایک تخت (بینچ) ہوتا تھا۔ پاس ہی پینے کے پانی کی ایک باولی بھی ہوتی تھی، باولی کا نگہبان ہندوؤں کو برتن میں ڈال کر پانی دیتا تھا، لیکن مسلمانوں کے پینے کے لئے ان کے ہاتھوں میں اوپر سے ڈال دیتا تھا، ملیباری ہندو مسلمانوں کو اپنے گھروں میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے، ان کو کھانے کی دعوت دیتے بھی تو کیلوں کے پتے پر کھانا رکھتے، لیکن ہر ٹھیرنے کے مقام پر مسلمان تاجروں نے اپنے لئے مکان بنا لئے تھے۔ اس لئے انہیں کسی طرح کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی، راستہ کے بازو کی زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر کاشت نہ کی جاتی ہو۔ ہر شخص کے گھر کے گرد اس کا ایک باغ تھا، اور باغ کے اطراف لکڑی کی باڑ، شاہراہ باغوں میں سے گذرتی تھی، سب لوگ پاپیادہ پھرتے تھے۔ صرف حکمراں راجہ کے پاس گھوڑے تھے، دولتمند ڈولی یا میانہ میں بیٹھ کر سفر کرتے تھے، جس کو ملازم یا غلام اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے تھے، کوئی سامان جانوروں پر نہیں لادا جاتا تھا، آدمیوں ہی کے ذریعے

منتقل کیا جاتا تھا، اس طرح ایک شخص کے پاس ایک سو تک بھی ملازم ہوتے تھے، راستہ بہت محفوظ تھا، کہیں چوری نہیں ہوتی تھی۔ مسلمانوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اگرچہ مذہبی تعصب کی وجہ سے کھانے پینے میں ان سے دوری برتی جاتی تھی، ملیبار کے اس وقت بارہ ہندو راجہ تھے، بعض کے پچاس ہزار تک بھی سپاہی تھے، بریں ہم آپس میں کوئی نزاع نہ تھا، تخت و تاج کا وارث بہن کا بیٹا ہوا کرتا تھا، عام وراثت کا بھی یہی طریقہ تھا، سوائے برقع پوش (ملثمون) مسوفہ کی قوم کے کسی اور میں یہ طریقہ نہیں پایا گیا، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

ملیبار کا سب سے پہلا شہر جہاں ابن بطوطہ اور اس کے ہم سفر پہنچے ابا سرور (بارسیلو BARCELORE) تھا، یہ ایک بڑے آبنائے پر چھوٹا سا شہر تھا، یہاں ناریل کے درخت بہت ہوتے تھے۔ دو دن کے سفر کے بعد فاکنور گئے۔ (جواب برکور کہلاتا ہے)، یہاں گنا بہت ہوتا تھا، اور ملیبار بھر میں سب سے بہتر تھا، فاکنور میں مسلمانوں کے سردار کا لقب باسداد تھا، اس کے کوئی تیس جنگی جہاز تھے جن کو لے کر لولا نامی ایک مسلمان تجار کے جہازوں کو لوٹتا تھا، سلطان ہند کے وفد جہاز جب لنگر انداز ہوئے، تو مقامی راجہ نے اپنے بیٹے کو ضمانت یا کفالت میں ان کے پاس بھیجا، اور وفد کے لوگوں کو بڑی عزت کے ساتھ اپنے شہر میں مہمان رکھا، معمولی تجار وغیرہ کے جہازوں سے نذرانہ یعنے حق بندرگاہ لئے بغیر ان کو گودی سے باہر جانے نہیں دیا جاتا تھا، یہاں

سے نکل کر تین دن بعد وفد منجرور (منگلور) پہنچا جو ملیبار کی سب سے بڑی آبنائے ڈمب پر واقع ہے، یہاں کالی مرچ اور ادرک کے لئے فارس اور یمن کے سوداگر بکثرت آیا کرتے تھے، اس کے راجہ راما دیو کا شمار ملک کے سربرآوردہ راجاؤں میں تھا، شہر میں چار ہزار مسلمانوں کی آبادی تھی جو ایک حصہ میں بسی تھی ہندو جب کبھی اُن سے جھگڑتے تو راجہ اپنی تجارتی اغراض کی خاطر بیچ بچاؤ کرا دیتا تھا، جب تک راجہ کا بیٹا ضمانت میں شاہی جہاز پر نہیں آیا وفد کا کوئی شخص شہر میں داخل نہیں ہوا۔ جب لوگ داخل ہوئے تو ان کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔

تین دن کے قیام اور دو دن کے سفر کے بعد ہیلی نام کی ایک بڑی بندرگاہ آئی، چین سے ہندوستان کو آنے والے جہازوں کا یہ بعید ترین مقام تھا۔ کالیکٹ اور کلم کی بندرگاہوں پر بھی چینی جہاز ٹھہرتے تھے، ہیلی کی جامع مسجد کا مسلمان اور ہندو دونوں احترام کرتے تھے، اور اس کے لیے نذرانہ بھیجتے تھے۔ اس کی آمدنی سے کئی مسلمان طلبہ کی تعلیم و پرورش کا انتظام تھا، دوسرے غریبوں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا، یہاں سے نکل کر سیاح جورپٹن (کنانور)، داہ پٹن اور بودپٹن گئے، ان شہروں کا راجہ کویل کہلاتا تھا، اور اس کا بڑا اثر تھا، داہ پٹن میں کویل کے دادا کی بنائی ہوئی ایک پختہ باولی اور مسجد تھی، وہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا، شہر میں برہمنوں کا بہت زور تھا، اور وہ مسلمانوں کے بہت مخالف

تھے۔ وفد جب پنڈیرانی پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں عمدہ باغات اور بازار تھے مسلمانوں کے تین محلے تھے ہر ایک میں ایک مسجد تھی، چینی جہاز موسم سرما میں اسی گودی میں ٹھیرتے تھے۔ یہاں سے وفد قالی قوت (کالی کٹ) کی بندرگاہ پہنچا، جو دنیا میں سب سے بڑی بندرگاہوں میں شمار ہوتی تھی، یہاں چین، سوماٹرا، لنکا، مالدیپ، یمن اور فارس وغیرہ کے تاجر جمع ہوتے تھے، اس کے راجہ کو ابن بطوطہ سامری کا لقب دیتا ہے۔ (ملایالم زبان کا اصل لفظ سماتوری یعنی شاہِ سمندر ہے، اس کو بگاڑ کر پرتگالیوں نے بعد کو زاموری نام رکھا)، یہیں پر مثقال نامی ایک بڑا مشہور دولتمند تاجر رہتا تھا، جس کے بہت سے جہاز چین، یمن اور فارس جایا کرتے تھے جب سلطان کا وفد بندرگاہ میں داخل ہوا تو راجہ کے نمایندہ نے اس کا بڑی شان سے ساتھ خیر مقدم کیا اور پرتکلف دعوت کی اس وقت چین کے وہاں تیرہ جہاز تھے، جو چین جانے کی غرض سے موسمی ہوا کا انتظار کر رہے تھے، سلطان کے وفد کو بھی اس کے انتظار میں جہاز کو لنگر انداز کرنا پڑا اس طرح وہ راجہ کا تین مہینہ مہمان رہا۔ ان دنوں بحیرۂ چین کا سفر چینی جہازوں ہی پر ہوا کرتا تھا،

اس ضمن میں ابن بطوطہ چینی جہازوں کی تین قسموں کی تشریح کرتا ہے بڑے جہاز جنک (Jonk) کہلاتے تھے، اب بھی یہ نام رائج ہے، اوسط جسامت کے ڈھو، اور چھوٹے ککم، (ڈھو کا نام ہندوستان وغیرہ میں بھی مشہور ہے۔ بڑے جہاز پر تین سے لے کر بارہ تک بادبان یا پردے

ہوا کرتے تھے، جو بانس کی لکڑیوں کو ملا کر بوریوں کی شکل میں بنائے جاتے تھے
ان کو مستول پر سے اتارا نہیں جاتا تھا، حتیٰ کہ لنگر اندازی کے وقت بھی
ان پر ایک ہزار تک آدمی سوار ہوتے تھے، چھ سو ملّاح اور چار سو
سپاہی تیر و کمان اور سپر و منجنیق وغیرہ آلات سے تیار رہتے تھے، بڑے
جہاز (جنک) کے ساتھ تین چھوٹے جہاز بھی ہوتے تھے، جو نصف،
تہائی اور چوتھائی کے نام سے منسوب تھے، یہ سب شہر
زیتون اور سین کلاں کنیٹن (CANTON) میں بنائے جاتے تھے،
ان چھوٹے جہازوں کو بڑے جہازوں کے لئے ہوا کے رک جانے کے
وقت گودی میں لیجانے کے لئے استعمال کرتے تھے، جنک پر تاجروں
کے لئے چار عرشے ہوتے تھے، جن پر حجرے کیبن (CABIN) اور
عام ملاقات کے کمرے ہوا کرتے تھے، کیبن متعدد چھوٹے کمروں
اور حمام سے بھی آراستہ ہوتے تھے ان کو اندر سے بند کر کے مسافر
اپنی مستورات، لونڈیوں کے ساتھ پورا راستہ طے ہونے تک رہ سکتے
تھے، ملاحوں کے بچے بھی جہاز پر اُن کے ساتھ رہتے تھے لکڑی کے
ڈبوں میں مٹی ڈال کر ترکاریوں کی حسب ضرورت کاشت کی جاتی
تھی، مالک جہاز کا نائب جہاز پر ایک بڑے امیر کی طرح رہتا تھا، ساحل
پر اترتے وقت اس کے سامنے تیر کمانوں، تلواروں اور برچھوں سے
مسلح حبشی سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت بطور پہرہ کے چلتی تھی باجہ
اور بوق کی آواز سے اس کی آمد کا اعلان کیا جاتا تھا، بعض چینی تاجروں

کے پاس کثیر التعداد جہاز تھے۔ جن کو وہ دور دراز مقامات پر تجارت کے لئے بھیجا کرتے تھے اِس لئے ابن بطوطہ کہتا ہے کہ چینیوں سے بڑھ کر اس وقت کوئی قوم دولتمند نہ تھی،

جب چین جانے کا وقت آیا تو زاموزن نے چین کے تیرہ جہازوں میں سے جو کالی کٹ کی گودی میں لنگر انداز تھے، ایک جہاز کو سلطان ہند کے وفد کے لئے متعین کیا، اس کا عامل سلیمان صفدی ابن بطوطہ کے ساتھ کسی قدر بے مروتی سے پیش آیا۔ اور اس کو ایک ایسا کیبن دیا جس میں حمام نہ تھا، اِس جہاز پر سنبل اور ظہیر الدین سلطان کے تحائف کے ساتھ سوار تھے ابن بطوطہ اپنا سامان اور لونڈیاں اور غلام اُس پر سوار کرا چکا تھا، لیکن نماز جمعہ شہر کی مسجد میں پڑھنے کی غرض سے ابھی ساحل پر ٹھیرا ہوا تھا، جب اس کے ایک ملازم نے کیبن کے ناقص ہونے کی اطلاع دی تو ابن بطوطہ نے عامل سے شکایت کی اس نے مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ جنک کے ساتھ کے ایک ککم پر منتقل ہو جاؤ، وہاں بڑا کیبن مل سکے گا جنک کے بڑے کیبن چینی تاجروں نے آنے اور جانے کے دو طرفہ سفر کے لئے محفوظ کرالئے تھے، ابن بطوطہ نے ایسا ہی کیا اور اسکا سامان اور نوکر وغیرہ قبل نماز جمعہ ککم پر سوار کرا دئے گئے اس اثنا میں تمام جہاز گودی سے روانہ ہو گئے، وہاں اب سوائے سلطان ہند کے تحائف کے جہاز اور ایک اور جنک جسکا مالک قندرینہ میں موسم سرما گذارنا چاہتا تھا اور ابن بطوطہ کے سامان والے ککم کے اور کوئی جہاز

نہ تھا۔ بد قسمتی سے عین اسی وقت اچانک ایک سخت طوفان اٹھا، ابھی بطوطہ اپنے جہاز کلم پر سوار نہ ہوا تھا کہ کلم اور تحائف کا جہاز طوفانی ہوا سے ساحل سے بہت دور ہٹ گئے دوسرا جنک ساحل سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، اور جان و مال کا بہت نقصان ہوا، ہفتہ کی رات کو سلطان کے تحائف والے جہاز کا بھی یہی حال ہوا، سنبل اور ظہیر کی لاشیں ساحل پر ملیں۔ ابن بطوطہ نے نماز میت پڑھی اور ان کو دفن کیا، یہ صورت حال دیکھ کر کلم نے سمندر کا راستہ لیا اور ابن بطوطہ ساحل پر اکیلا رہ گیا، اس اُمید میں کہ کلم آخرکار کلم جائے گا، وہ ساحل کے بازو و آبنائے کے رستے سے کلم کی طرف چلا، پانچ دن کے بعد، کنجاکری نام کے ایک مقام پر پہنچا جو پہاڑ کی چوٹی پر یہودیوں سے آباد تھا، ان ہی میں کا ایک یہودی شہر کا گورنر منتخب ہوتا تھا، اور کلم کے راجہ کا باجگذار تھا، ابنائے کے دونوں بازو وار چینی اور سُرخ رنگ کی لکڑی کے درخت تھے، اس لکڑی کا نام بعد کو اسپین، پرتگال اور فرانس والوں نے برازیل وڈ (BRZIL WOOD) رکھا، جب جنوبی امریکہ میں بعد کو ایسی لکڑی دستیاب ہوئی تو اس کے لئے بھی یہی نام تجویز ہوا اور بالآخر اس خطۂ ملک کو بھی برازیل کہنے لگے جہاں یہ لکڑی پیدا ہوتی تھی۔ ان درختوں کی ایسی افراط تھی کہ کھانا پکانے کے لئے بھی ان کی لکڑی جلائی جاتی تھی جب ابن بطوطہ کلم پہنچا تو اس کو ایک بہترین شہر پایا، بازار وسیع و بارونق تھا، اس کے تاجر جو سولی کہلاتے تھے بڑے ہی دولتمند تھے۔ ان میں کا ایک ایک شخص سارا

جہاز مع سامانِ تجارت خرید سکتا تھا یہاں مسلمانوں کی ایک جامع مسجد بڑی شاندار خواجہ مہذب کی بنائی ہوئی تھی، دریافت کرنے پر کلم کا تو پتہ نہ چلا البتہ چینی سفراء ملے جن کا جنک دوسرے جنک کی طرح ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا، چینی تاجروں نے اپنے ہم وطنوں کے لئے کپڑے اور ضروری سامان مہیا کر دیئے اور ان کو ایک دوسرے جہاز پر سوار کرا کے وطن بھجوا دیا، چنانچہ ابن بطوطہ جب چین گیا تو وہاں ان سے اس کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔

اِس کا پہلے ارادہ ہوا کہ کلم سے دہلی واپس جا کر سلطان کو تحائف، سفراء اور جہاز کے ڈوبنے کی اِطلاع دے لیکن ڈرا کہ اگر وہ پوچھے کہ تحائف کے جہاز پر خود کیوں نہیں ٹھیرا تو کیا جواب دیا جا سکے گا، اِس لئے سلطان ہونا ور جمال الدین کے پاس اپنے کلم کی صحیح اطلاع ملنے تک ٹھیرنے کا قصد کیا، جب وہاں پہنچا تو سلطان جمال الدین ۵۲ جہازوں پر گووا کے راجہ کے بیٹے کی مدد کے لئے فوج اور سامان جنگ بھیج رہا تھا، کیونکہ اس وقت باپ بیٹے میں جنگ تھی، بیٹے نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر جمال الدین کی مدد سے وہ کامیاب ہو گیا تو مشرف بہ اسلام ہو جائے گا۔ ابنِ بطوطہ نے اِس مہم میں شریک ہونا چاہا، قرآن مجید میں اِستخارہ کیا تو خوش خبری کی آیت برآمد ہوئی۔ جمال الدین نے یہ دیکھ کر بذات خود اپنی فوج کی سپہ سالاری اپنے ذمہ لی اور جہازوں کے ساتھ گووا پہنچا

بالآخر مسلمانوں کی فتح ہوئی، جمال الدین راجہ کے محل میں منتقل ہوا لیکن شہر اور قلعہ کی عورتیں اور بچوں کو رہا کر دیا، گووا میں تین ماہ ٹھیرنے کے بعد ابن بطوطہ نے ہونا ور جانے کی اجازت لی۔ پھر منجرور (منگلور) وغیرہ سے کالی کٹ پہنچا، وہاں سے الشالیات گیا۔ جو نہایت خوبصورت شہر تھا، یہاں ایک مشہور کپڑا بنتا تھا جس کا نام مقام کی مناسبت سے پرتگالیوں نے شالی اور فرانسیسیوں نے شالے رکھا۔ شاید حالیہ مستعملہ لفظ شال کی یہی وجہ تسمیہ ہوگی، (الشالیات کو اب بے پور کہتے ہیں) ابن بطوطہ یہاں ایک عرصہ تک ٹھیر کر کالی کٹ واپس ہوا تو اس کے گکم کے دو غلام وہاں واپس آئے، انہوں نے کہا کہ سوماٹرا کے فرماں روا نے اس کی لونڈیوں کو پکڑ لیا اور اس کے دوسرے سامان پر جو گکم پر تھا، مختلف آدمیوں نے قبضہ کر لیا، اس کے ساتھی چین، سوماٹرا، اور بنگالہ میں منتشر ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ مجبوراً پہلے ہونا ور اور پھر سندابور (گووا) واپس ہوا۔

باب (۹)

سندبور (گووا) کے سابق کافر فرماں روا نے اپنا ملک واپس لینے کے لئے فوج کشی کی، کفار بھاگ کر اس کے ساتھ ہو لئے، ابن بطوطہ اور دوسرے مسلمانوں کو قلعہ بند ہونا پڑا، جب محاصرہ کی تکلیف بہت ہونے لگی تو وہ کالی کٹ واپس چلا گیا، اور وہاں سے ذیبت المھل (جزائر مالدیپ کو جانے کا قصد کیا، ان جزائر کی نسبت بہت دلچسپ قصے مشہور تھے۔ کالی کٹ سے جہاز وہاں دس دن میں پہنچا، جزیروں کی تعداد تقریباً دو ہزار کے ہے، ایک ایک سو یا اس سے کم جزیروں کا حلقہ سمندر میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس حلقہ میں آمد و رفت کا صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ ایک حلقہ سے دوسرے حلقہ کو جانے کے لئے جہاز پر وہیں کے ناخدا کی ضرورت ہے، بغیر اس کے زیر آب چٹانوں کی وجہ سے جہاز کے ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے جزیرے باہمدیگر اتنے نزدیک ہیں کہ ایک سے نکلتے ہی دوسرے کے ناریل کے درخت دکھائی دیتے ہیں، اگر جہاز راستہ سے بھٹک جائے تو اس کی واپسی مشکل ہے، سمندری ہوائیں اس کو یا تو کورومنڈل (ملیبار) کے ساحل کو دھکیل کرلے جاتی ہیں۔ یا سراندیپ کے پاس (جزائر مالدیپ سے اگرچہ ملاح اور سیاح زمانہ قدیم سے واقف تھے اور ان کے باشندے بارھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہوئے، ابن بطوطہ ہی پہلا شخص

ہے جس نے تعلیم یافتہ دنیا کو ان سے روشناس کرایا)

وہ کہتا ہے کہ تمام باشندے مسلمان، پابندِ مذہب اور راست باز ہیں۔ جزیروں کی بارہ صوبوں میں تقسیم ہوئی تھی، ہر ایک صوبہ پر ایک کردوئی یا گورنر (KARDUI) نگراں تھا، مہل کا صوبہ جس سے تمام جزائر کا نام ذیبت المہل رکھا گیا تھا۔ سلطان کی قیام گاہ تھی۔ صرف ایک صوبہ میں ایک قسم کی اناج کی کاشت کی جاتی تھی۔ عام خوراک ایک مچھلی تھی۔ جس کا گوشت سرخ تھا۔ اور بو بکرے کے گوشت کی سی۔ اس میں چربی بالکل نہ تھی۔ کاٹ کر اس کے چار ٹکڑے خفیف سا پکائے جاتے پھر ناریل کے پتوں سے بنے ہوئے ٹوکروں میں انکو دھواں دیا جاتا تھا اس کا نام (قلب الماس) دراصل کالو بیلی ماس کا معرب ہے، ہندوستان چین، اور یمن کو بھی (ناریل کے ساتھ) بھیجی جاتی تھی۔ یہاں ناریل کے درخت بہت ہیں، ناریل بطور غذا اور دوسرے کاموں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، ان جزائر کے باشندے نحیف الجثہ اور صلح پسند ہوتے ہیں، لڑنے سے ناواقف، ایک دن بحیثیت قاضی، ابن بطوطہ نے ایک سارق کا ہاتھ کاٹنے کے لئے حکم دیا، تو حاضرین میں سے کئی ایک بیہوش ہو گئے ہندوستان کے قزاق ان کو نہیں ستاتے تھے عام عقیدہ تھا کہ ان کی بد دعا سے ان کے ستانے والوں کو از خود سزا مل جاتی تھی ہر جزیرہ صاف ستھری مسجدوں سے آراستہ تھا، مکانات لکڑی کے ہوتے تھے، گرمی کی وجہ سے لوگ دن میں دو مرتبہ نہاتے تھے

اور جسم پر عطر اور روغنِ صندل ملا کرتے تھے، مرد لوگ صرف ایک تہ بند باندھا کرتے تھے اور پیٹھ پر ایسا ہی ایک کپڑا اوڑھ لیتے تھے بعضوں کے سر پر عمامہ ہوتا تھا، یا چھوٹا سا رومال۔ جہاں کہیں قاضی یا کوئی اور مذہبی پیشوا نظر آتا، اس کے سامنے پیٹھ پر کی اوڑھنی اتار دی جاتی تھی اور لوگ اسی حالت میں اس کو اس کے مکان تک پہنچاتے تھے غریب و امیر سب ننگے پاؤں پھرتے تھے، سڑکیں جھاڑو دے کر صاف رکھی جاتی تھیں، سڑکوں کے ہر دو جانب درخت تھے، ان میں سے چلنا ایسا ہی خوش گوار تھا، جیسے باغ میں ٹہلنا، بریں ہم جب کبھی کوئی شخص گھر یا مسجد میں داخل ہوتا تو پیش دالان میں پانی سے بھرے ہوئے ایک مٹکے میں سے پانی لے کر پاؤں دھو لیتا اور ایک ناریل کے ریشہ سے بنے ہوئے تو ال (تولیہ) سے پونچھ لیتا۔

ان جزائر سے علاوہ کالی خشک مچھلی اور ناریل کا کپڑا، عمامے اور پیتلی برتن بھی باہر بھیجے جاتے تھے، جو غالباً ملکی پیداوار نہیں بلکہ سوداگری میں حاصل کئے جاتے تھے، کوڑیوں اور قنبر کی بڑی مقدار میں برآمد تھی ناریل کے ریشوں کو ساحل کے قریب گڑھوں میں سڑا کر نرم ہونے کے بعد ان کو ڈنڈوں سے پیٹا جاتا تھا، اور پھر ان سے جہازوں کے رستے تیار کئے جاتے تھے، اس کو قنبر کہتے تھے یہ رسے تختوں کو ملا کر باندھنے میں بہت استعمال کئے جاتے تھے، اگر کشتی سمندر کی کسی پوشیدہ چٹان سے ٹکرائے تو لوہے کی میخوں سے جوڑے ہوئے تختے ایک

دوسرے سے جدا ہو جاتے لیکن اسی رسی سے باندھے ہوئے تختے رسی کی لچک کی وجہ سے باہم پیوستہ ہی رہتے۔ کوڑی ایک نرم جسم کے سمندری جانور کا خول ہے، ان جانوروں کا نشوونما بافراط سمندر کے پانی میں ہوتا ہے۔ وہاں سے ان کو نکال کر بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال دیا جاتا ہے، جانور جب مر کر سوکھ جاتا ہے تو اس کا خول جمع کر لیا، اور بطور زرِ معاملات خرید و فروخت میں استعمال کیا جاتا ہے، عموماً چار لاکھ کوڑیاں ایک طلائی دینار کے مساوی سمجھی جاتی تھیں، کبھی انکی قیمت اتنی گر جاتی تھی کہ ۱۲ لاکھ کوڑیاں ایک دینار کی برابر تصور کی جاتی تھیں، بنگالہ سے چاول کوڑیوں ہی کے معاوضہ میں خریدا جاتا تھا، یمن کے جہازوں پر ان کو بطور وزن بجائے ریت اور پتھر کے تھیلوں کے جہاز کی قیام پذیری کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ حبشیوں کے ملک میں بھی کوڑیاں بطور زر استعمال ہوتی تھیں،

مالدیپ کی عورتوں کے ہاتھ ننگے چھوڑ دیئے جاتے تھے، حتیٰ کہ انکی حکمراں رانی کے بھی بالوں کو ناریل کا تیل لگا کر کنگھا کیا جاتا تھا، اور سر کے ایک طرف جوڑا باندھ دیا جاتا تھا، ان میں سے اکثر اپنا کمر کے اوپر کا حصۂ جسم برہنہ رکھتی تھیں، جب ابن بطوطہ قاضی مقرر ہوا تو اس نے برہنگی کو دور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ اس کے سامنے کوئی عورت اس نیم برہنہ لباس میں حاضر نہ ہو سکتی تھی، عورتیں پانچ یا اس سے کم دینار لے کر غیر شخص کے

پاس گھریلو کام کرنے کے لئے نوکر ہو جاتی تھیں، دولت مند بیس سے زیادہ بھی ایسی خادمہ عورتیں ملازم رکھتے تھے، اُن کے خورد و نوش اور دیگر اخراجات نوکر رکھنے والے کے ذمہ ہوتے تھے، اگر کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی برتن گر کر پھوٹ جاتا تو اس کی قیمت عورت کو دی ہوئی رقم میں محسوب کر لی جاتی، نئے مالک یا آقا کے ہاں منتقل ہوتے وقت اس کو یہ رقم سابق آقا کو دینی پڑتی تھی، شادی یہاں بہت آسان تھی، اِس لئے کہ مہر بہت کم باندھا جاتا تھا، جب کبھی کوئی جہاز وہاں آتا تو مسافر وغیرہ ان جزائر کی عورتوں سے شادی کر لیتے، اور جاتے وقت ان کو طلاق دے دیتے یہ بڑی بُری رسم تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی عورت اپنے ملک سے باہر جانا نہیں چاہتی تھی،

اِس وقت جزائر مالدیپ کی حکمراں ایک عورت خدیجہ نامی تھی، اس کا دادا پھر اس کا باپ اور اسکے مرنے کے بعد نابالغ بھائی شہاب الدین حکمراں ہوا، شہاب الدین کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا، تو خاندانِ شاہی میں صرف خدیجہ اور اُسکی دو چھوٹی بہنیں رہ گئیں، اس لئے اسی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے ملک کے واعظ جمال الدین سے نکاح کر لیا اور اسکو اپنا وزیر بنایا۔ احکام خدیجہ کے نام سے جاری ہوتے تھے لیکن حقیقت میں جمال الدین ہی کی حکومت تھی، کاغذ صرف قرآن مجید اور مذہبی کتابیں لکھنے کے لئے استعمال ہوتا تھا، باقی تمام تحریرات ناریل کے پتوں پر ہُوا کرتی تھیں، لوہے کا ایک نوکدار مڑا ہوا کیلا بطور قلم استعمال ہوتا تھا،

جب کبھی کوئی اجنبی شخص دربار شاہی میں حاضر ہوتا تو اس کو پارچہ کے دو چھوٹے تھان ساتھ لے جانا پڑتے، پہلے سلطانہ کو آداب بجا لاکر اسکے سامنے ایک پارچہ زمین پر رکھ دیا جاتا، پھر وزیر جمال الدین کو سلام کرکے اس کے سامنے دوسرا پارچہ رکھ دیا جاتا، فوج میں صرف ایکہزار سپاہی تھے، اکثر باہر سے آئے ہوئے بعض اہل وطن سے بھی تھے انکی کام زیادہ تر روزانہ شاہی محل میں حاضر ہوکر سلام کرنا ہوتا تھا، تنخواہ چاول کی ایک معین مقدار مقرر تھی، قاضی اور دوسرے حکام کا بھی یہی طریقہ تھا، قاضی کی تمام حکام سے بڑھکر اطاعت اور عزت کیجاتی تھی، سلطان کے حکم کی برابر بلکہ اس سے بڑھکر اس کے حکم کی تعمیل کیجاتی تھی، ملک میں کوئی محبس نہ تھا، مجرم کو سوداگروں کے گودام میں بند کردیا جاتا تھا، جیساکہ مراکش میں عیسائی قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

ابن بطوطہ پہلے کنالوس نام کے ایک جزیرہ پر اُترا، وہاں سے مہل نامی جزیرہ کو جانا چاہتا تھا۔ ذفار کے ایک باشندے نے اس سے کہا کہ اگر تم مہل جاؤگے تو وزیر تم کو وہاں سے نکلنے نہ دے گا، قضائت کی خدمت پر مامور کردیگا، کیونکہ وہاں اسکی ضرورت ہے، وہ چاہتا تھا کہ مہل دیکھ لینے کے بعد ساحل کورمنڈل (معبر) سیلان (لنکا) اور بنگالہ دیکھتا ہوا چین جائے اس لئے جب جہاز مہل پہنچا، اور مسافر کپتان کے ساتھ وزیر کے دربار میں سلام کو حاضر ہوئے، تو کپتان نے حسب خواہش ابن بطوطہ بوقت سوال اس سے لاعلمی ظاہر کی لیکن کسی نے پہلے ہی سے بذریعہ خط وزیر کو

مُطلع کردیا تھا کہ ابن بطوطہ دہلی میں منصب قضارت پر مامور تھا، حسب قاعدہ مقررہ سلام اور پارچہ اندازی کی رسم کے بعد حاضری دربار کے ساتھ عطر اور پان وغیرہ کا سلوک کیا گیا، ان کو مہمان رکھ کر چاول کباب مرغ گھی اور مچھلی سے انکی ضیافت کی گئی، دو دن بعد وزیر نے ابن بطوطہ کو مہمانوں کے سامان خورد و نوش کے ساتھ ایک لاکھ کوڑیاں بھی عطا کیں۔

جب دس دن گذرے تو لنکا سے چند عرب اور ایرانی درویش وہاں پہنچے - انھوں نے اس کو پہچان کر وزیر کے ملازموں سے کہدیا کہ وہ کون تھا، وزیر یہ سُن کر اور بھی خوش ہوا اور اس کو قاضی مقرر کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، اوائل رمضان میں ملک کے دوسرے وزیروں اور امیروں کے ساتھ اسکی ضیافت کی، جب ابن بطوطہ نے درویشوں اور دیگر عمائد شہر کی دعوت کرنے کی اجازت چاہی تو وزیر جمال الدین نے خود بھی شریک ہونے کا خیال ظاہر کیا اور پانچ بکرے (جو باہر ہی سے آسکتے تھے) اور ضیافت کے تمام لوازمات دیئے - وزیر سلیمان نے پکوان کا بہت اچھا انتظام کیا، وزیر جمال الدین اور دیگر عمائد شہر دعوت میں شریک ہوئے، کھانے کے بعد قرآن و قرأت قرآن بڑی خوش الحانی سے ہوئی - پھر درویشوں نے گاتے ہوئے آگ پر رقص کیا، اور بعضوں نے تو آگ کے ڈلے مٹھائی کی طرح مُنہ میں ڈال کر کھالئے، جمال الدین نے ابن بطوطہ کو ریشمی کپڑوں اور زیورات کے ساتھ دو لونڈیوں سے سرفراز کیا، اسنے شکریہ ادا کیا،

وزیر سلیمان اپنی لڑکی کا عقد ابنِ بطوطہ سے کرنا چاہتا تھا، جب اُسنے وزیر جمال الدین سے اس امر کی اجازت چاہی تو قاصد نے اطلاع دی کہ اجازت نہیں ملے گی۔ کیونکہ وہ خود اپنی بیوہ لڑکی کو اس کے بیاہ میں دینے کا قصد رکھتا تھا، صرف عدّت کے دن گذرنے کا انتظار تھا اس بد نصیب لڑکی کے پہلے دو شوہر شبِ زفاف سے قبل مر چکے تھے ابن بطوطہ نے وہم کر کے عقد سے انکار کیا، اِس اثنا میں وہ بخار میں مبتلا ہوگیا، اور محل سے چلا جانا چاہا۔ لیکن جمال الدین نے اسکے جانے کے خلاف دقتیں پیدا کیں۔ بالآخر سمجھانے پر ابن بطوطہ محل میں سکونت اختیار کرنے کے لئے راضی ہوگیا، لیکن اپنی چند شرائط منظور کرائے۔

اوائل رمضان میں ابن بطوطہ کا عقد وزیر سلیمان کی لڑکی سے ہونے ہی کو تھا اور وزیر جمال الدین نے اسکی اجازت بھی دیدی تھی، لیکن خود دلہن نے عقد سے انکار کیا، چونکہ مہمان سب جمع ہو چکے تھے، اس لئے وزیر کے کہنے پر سلطانہ کی ایک رشتہ دار سے (جسکی بیٹی سے وزیر کا لڑکا بیاہا جا چکا تھا) شادی کر لی، قاضی نے نکاح باندھ دیا، وزیر نے جہیز ادا کیا۔ اور کچھ دنوں بعد عورت ابن بطوطہ کے گھر پہنچا دی گئی۔ کہتا ہے کہ وہ بہترین عورتوں میں سے تھی، اِس شادی کے بعد وزیر نے اس کو منصبِ قضارت قبول کرنے پر مجبور کیا، اس نے سابقہ بد عنوانیاں رفع کیں اور احکامِ شرع کی سختی سے

پابندی کرائی، پھر اس نے مزید تین عورتوں سے عقد کیا جسمیں سے ایک کا باپ پہلے وزیر تھا، اور اہل ملک کے پاس اس کی بڑی عزت تھی، اسکا دادا ایک زمانہ میں ملک کا سلطان تھا، ایک دوسری عورت شہاب الدین کی پہلی بیوی تھی۔

ان تعلقات کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرنے لگے اور وزیر جمال الدین کو سکھا کر اسکا دشمن بنا دیا۔ بالآخر مرحوم سلطان شہاب الدین کے ایک غلام کو زنا کے ارتکاب میں سزائے شرعی نافذ کرنے پر جمال الدین نے ازراہِ مخالفت اس کی تنسیخ کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ بادشاہِ ہندوستان کے خوف سے کوئی اس کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ کرتا تھا اگرچہ ہندوستان وہاں سے بہت دور تھا آخر کار ابن بطوطہ نے مہل سے چلے جانے کی قسم کھائی اور ابراہیم نامی ایک کپتان کے جہاز پر جزیرہ ملوک سے معبر جانے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ وسط ربیع الثانی ۷۴۵ھ (۲۲ اگست ۱۳۴۴ء) کو روانہ ہوا، چار مہینے بعد معلوم ہوا کہ جمال الدین کا انتقال ہو گیا، اس نے اُس کی مغفرت کی دُعا کی۔

اس جہاز پر کوئی تجربہ کار ناخدا نہ تھا، معبر جانے کے لئے صرف تین دن کافی تھے، جہاز آٹھ دن چلا۔ اور نویں دن سیلون (لنکا) کے جزیرہ سے جا لگا، کوہ سراندیپ آسمان کیطرف اٹھا ہوا دھویں کا ایک مینار نظر آیا۔ ابن بطوطہ کا جہاز ایری چکروتی نامی راجہ کی ایک بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اسکی نسبت مشہور تھا، کہ وہ ظالم اور قزاقوں

سے ملا ہوا تھا مگر مسافر مجبور تھے۔ اس لئے کہ سمندر پر طوفان اُٹھ رہا تھا ابن بطوطہ نے جہاز سے اتر کر باشندگان ساحل سے کہا کہ وہ بادشاہ معبر کا بہنوئی تھا اور ایری چکرورتی کے لئے تحائف لایا تھا، یہ سُن کر اُس نے ابن بطوطہ کو اپنے شہر تبالہ میں طلب کیا۔ یہاں ساحل پر دار چینی کے درخت بکثرت ہیں جن کو سیلاب کا پانی قریب کے پہاڑوں سے اکھیڑ کر لاتا ہے۔ معبر اور ملیبار کے لوگ انکو مفت لے جاتے تھے۔ صرف راجہ کو پارچہ وغیرہ کی قسم کے تحفے دے دیا کرتے تھے، اس مقام سے معبر صرف ایک دن اور ایک رات کا سفر تھا، (۱) سراندیپ اس جزیرہ کا عربی اور فارسی نام ہے۔ سیلون قدیم سنسکرت نام سمہالا دویپا یعنی جزیرہ سکونت شیر نرزہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پالی زبان میں یہ لفظ سیہالم اور پھر سیلان یا سیلون بن گیا، پانڈیوں نے ۱۳۱۴ء میں سیلون کی قدیم بادشاہت پر قبضہ کر لیا، جبکہ معبر میں ان کے پایہ تخت مدورا پر مسلمان مسلط ہو گئے۔ کم از کم تیسری صدی قبل مسیح ؑ سے اسوقت تک معبر پر پانڈیوں کی حکومت چلی آرہی تھی، سیلون پر پانڈیوں کا حملہ آریا چکرورتی نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں ہوا، ابن بطوطہ جسکا ذکر کرتا ہے وہ اسکا ہم نام تھا، اور اُس نے ۱۳۷۱ء میں کولمبو وغیرہ میں قلعے تیار کئے۔ پانڈیوں کا مرکز حکومت جزیرہ جفنا تھا۔ جب ایری چکرورتی سے ابن بطوطہ ملنے گیا تو اس نے اسکا بہت احترام کیا یہ کہہ کر کہ معبر کا بادشاہ اور وہ دوست تھے، کئی دن ابن بطوطہ اور اسکے ساتھیوں کو اپنا مہمان

رکھا۔ راجہ فارسی زبان جانتا تھا۔ ابن بطوطہ نے مختلف ممالک اور بادشاہوں کے قصّے بیان کئے۔ ایک دن راجہ نے اسکو چند بیش قیمت موتی عطا کئے۔ اور پوچھا اُس کی کیا خواہش ہے۔ اس نے کہا کوہ سراندیپ پر حضرت آدمؑ کے قدم کی زیارت کرنا چاہتا ہے، راجہ نے اُس کے ساتھ اپنا محافظ دستہ بھیجکر پہاڑ پر پہنچانے کا وعدہ کیا، جہاز کے کپتان سے رخصت ہونا چاہا۔ تو اس نے ابن بطوطہ کی واپسی تک ٹھیرنے کا ارادہ ظاہر کیا، راجہ نے اسکو اس مدت تک اپنا مہمان بنایا،

راجہ کے دیئے ہوئے میانہ میں بیٹھ کر ابن بطوطہ چار جوگیوں، تین برہمنوں، دس ہمراہیوں اور پندرہ بار برداروں کے ساتھ پہاڑ کی طرف چلا، پہلے بانس کی کشتی میں سوار ہو کر ایک ندی کو عبور کرلیا، پھر بینار منڈلی نام کے ایک خوشنما شہر میں پہنچے، جو راجہ کی سرحد پر واقع تھا، شہر والوں نے بھینس کے بچھڑوں کو ذبح کرکے اس کی پرتکلف ضیافت کی بعد کو ایک چھوٹے شہر (بندر سلاورت) CHILAW ہوتے ہوئے نہروں سے کٹی ہوئی غیر مسطح سرزمین سے گذرے، یہاں اگرچہ بہت ہاتھی تھے، لیکن شیخ ابو عبداللہ کی دعا کی برکت سے جنہوں نے نشان قدم حضرت آدمؑ کی زیارت کے لئے سب سے پہلے راستہ صاف کیا تھا، ہاتھی زائروں اور اجنبی لوگوں کے مزاحم نہیں ہوتے تھے، اسی طرح یہاں کے باشندے بھی پہلے مسلمانوں کو زیارت کیلئے جانے سے روکتے اور ان کے ساتھ کسی قسم کے روابط مثلاً ساتھ کھانا،

گھر پہ بلانا وغیرہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن شیخ موصوف کے متعلق ایک سابقہ باب میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اسکی وجہ سے اب صورت حال بدل گئی تھی، اس وقت تک بھی لوگ ان کو شیخ اعظم کے نام سے یاد کرتے تھے،

آگے کورونگالہ ملا جو سیلون کی قدیم بادشاہی کے اسوقت کے جانشینوں کا پایۂ تخت تھا، ابن بطوطہ اس کو کنّا کار کہتا ہے۔ صحیح نام سنسکرت لفظ کنور یعنی شہزادہ سے بنا ہے، یہ شہر دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک وادی کے اندر آباد ہے، اسکے قریب ایک بڑا تالاب ہے، جس میں سے لعل یاقوت برآمد ہوتے تھے، اس لئے اس کا نام لعلوں کا تالاب مشہور تھا، شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی (چاوشں) کی مسجد ہے، یہاں کا بادشاہ اور اہل ملک سب ان کی قبر کی زیارت کرتے اور انکا احترام کرتے تھے۔ یہ بزرگ نشان آدمؑ کے زائرین کو بطور رہنما پہاڑ تک لے جایا کرتے تھے، ملک کی گاؤ پرستی سے ناواقفیت کی حالت میں اُنھوں نے ایک گائے کو ذبح کر دیا تھا، ہندوؤں کا قانون تھا کہ جو کوئی بھی گائے کو مارے اس کو اسی طرح قتل کیا جائے۔ یا گائے کے چمڑے میں لپیٹ کر آگ میں جلا دیا جائے۔ شیخ شاوش کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اُن کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا گیا، لیکن انکی قوت بسری کے لئے ایک بازار کی آمدنی مقرر کردی۔ اس معذوری کی حالت میں شیخ عثمان کے لڑکے اور ملازم ان کی جگہ زائرین کی رہنمائی

کرنے لگے یہاں کے راجہ کے پاس ایک سفید رنگ کا ہاتھی تھا، تہواروں کے موقعوں پر وہ اس پر سوار ہو کر نکلتا تھا۔ ہاتھی کے ماتھے پر بڑے بڑے لعل باندھے جاتے تھے ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اس نے دنیا بھر میں کسی اور جگہ سفید ہاتھی نہیں دیکھا اس جگہ بہرماں نامی نہایت خوش رنگ یاقوت (CARBUNALE) دستیاب ہوتا تھا، اسی تالاب کے لعل بہت قیمتی تھے، سیلون میں تقریباً ہر جگہ لعل ملتے ہیں۔ پکھراج اور نیلم کے بھی یہاں معدن ہیں قاعدہ یہ تھا کہ ایک سو فنم (معادل چھ طلائی دینار) سے زائد کے جواہر اگر کسی کو ملیں تو راجہ ان کو لے لیتا تھا، لیکن ان کی قیمت ادا کر دیتا تھا، کمتر قیمت کے جواہر جس کسی کو ملتے اُسی کی ملکیت تصور کیے جاتے۔ شہر سے نکل کر استاد محمود لوری نام کے ایک عابد کے بنائے ہوئے غار کے پاس پہنچے پھر بندروں کے تالاب کو گئے ان کے منہ کالے دُم بہت لمبی اور نروں کے انسانوں کی طرح ڈاڑھی بھی ہوتی تھی ان کا ایک سردار ہوا کرتا تھا، جس کی وہ مثل انسانوں کے اطاعت کرتے تھے، ان کے خاطیوں کو سزا دی جاتی تھی ان کی متمدن زندگی کے دلچسپ قصّے مشہور تھے، وہاں سے آگے بڑھے تو بڑھیا کی جھونپڑی ملی، آباد خطہ کی یہ آخر منزل تھی، اب بھنساروں میں سے چلنا پڑا، یہاں درختوں پر سے اُڑ کر کاٹنے والی جونک بڑا ستاتی تھی، اس کے کاٹنے سے خون بہت بہتا تھا اس لئے لوگ یہاں اپنے ساتھ لیموں رکھتے تھے، جوں ہی جسم پر جونک

بیٹھی لیمو نچوڑ دیا جاتا تھا، اور وہ اسیوقت گر جاتی تھی۔ زخم کو لکڑی کی ایک چھری سے کرید دیا جاتا تھا،

بابا آدم کا پہاڑ (کوہ سراندیپ) اتنا بلند تھا کہ سمندر پر نو دن کے راستہ سے نظر آتا تھا، جب ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی پہاڑ پر چڑھے تو ابر اُنکے نیچے ہو گیا اور پہاڑ کا دامن اس سے چھپ گیا، پہاڑ پر دائمی سبز درخت اور رنگ برنگ کے پھول تھے ایک سرخ گلاب بھی تھا، جو ہتیلی کی برابر چوڑا تھا، اوپر چڑھنے کا راستہ راہِ بابا کہلاتا ہے اور زیادہ دشوار گذار ہے، اُترنے کا راستہ راہِ ماما حوّا کے نام سے مشہور ہے اور نسبتاً بہت آسان ہے، زیارت کے لئے دشوار گذار راستہ پر سے ہی جانا لازمی تصور کیا جاتا تھا، آسان راستہ سے جانا تکمیلِ ضابطہ نہ سمجھا جاتا تھا، چڑھنے کے راستہ پر زیادہ مشکل جگہوں پر لوگوں نے زنجیریں نصب کرادی تھیں (جو اب بھی موجود ہیں) لوگ ان کے سہارے چڑھا کرتے تھے، دس زنجیریں تھیں، دو پہاڑ کے دامن میں سات اُوپر کے حصہ میں، آخری زنجیر ایمان کی کہلاتی تھی، اس لئے کہ یہاں پہنچ کر جب پہاڑ کے نیچے کی طرف دیکھا جاتا تھا تو سر چکراتا اور گرنے کے خوف سے لوگ کلمہ توحید پڑھ لیا کرتے، آخری زنجیر کے بعد سات میل پر خضر عم کا بھنسارا ہے، اسکے بازو پر ایک چشمہ مچھلیوں سے بھرا ہی لیکن کوئی ان کو پکڑتا نہیں اس کے بازو چٹان میں تراشے ہوئے دو تالاب راستہ کے دونوں بازو ہیں۔ خضر عم کے بھنسارے پر زائرین اپنا مال واسباب امانتاً رکھ چھوڑتے تھے

بوقت واپسی حاصل کر لیتے مزید دو میل پر اُوپر چڑھنے پر نشان قدم ملتا ہے۔ یہ
ایک وسیع چٹان پر گیارہ بالشت لمبا اور کافی گہرا ہے، قدیم زمانہ میں چینی
اس پر سے پیر کے انگوٹھے اور قریب کے حصہ کا نشان کاٹ کر لے گئے
اور اس کو شہر زیتون کے بتخانہ میں بطور تبرک نصب کر دیا، عام رواج تھا
کہ خضرؑ کے بھنسارے پر زائرین تین دن ٹھیرتے اور ہر صبح نشانِ قدم
کی زیارت کو جاتے۔ اس کے بعد ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی راہ ماما حوّا
سے نیچے اُتر آئے۔ راستے میں کئی گاؤں ملے، بیان کیا جاتا تھا کہ یہاں دامن
کوہ میں ایک درخت تھا، جس کے پتّے کبھی نہیں گرتے تھے، وَاللہُ اَعْلَم،
ابن بطوطہ کی کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں ہوئی جس نے اِن پتوں کو
دیکھا بھی تھا، درخت تک پہنچنا مشکل تھا، وہاں چند جوگی نظر آئے جو
پتوں کو گرنے دیکھنے کی توقع میں دائماً ٹھیرے ہوئے تھے، اسکے متعلق
اور جھوٹے قصوں میں یہ قصہ بھی مشہور تھا کہ اگر کوئی بوڑھا اس کا پتہ کھالے
تو جوان ہو جاتا ہے۔ پہاڑ کے نیچے یاقوت کی کان کا بڑا تالاب تھا، جسکے پانی
کا رنگ نیلا تھا۔ وہاں سے وہ دیوندرا نام کے شہر کو گئے (اسکو ابن بطوطہ
کردستان کے مشہور شہر کی مناسبت سے جو کرمان کے شمال مشرق میں واقع
ہے، دینور کہتا ہے) یہ شہر ساحل کے قریب تھا، اس میں بہت تاجر رہتے
تھے، اسکے دیول میں ایک ہزار برہمن اور جوگی اور پانچسو گانے والی جوان
ہندو عورتیں تھیں، جو بُت کے سامنے راتوں کو گاتی اور ناچتی تھیں
ان کے لئے حکومت کی طرف سے آمدنی وقف تھی۔ بت سونے

کا بنا تھا، اُس کی آنکھوں میں دو بڑے یاقوت جڑے ہوئے
تھے، جو رات کو چراغ کی طرح چمکتے تھے۔ ڈی پرتگالیوں
نے ۱۵۸۷ء میں وشنو کے اس قدیم دیول کو تباہ کردیا، یہ
لنکا کے انتہائی جنوبی مقام پر قریب ڈونڈا ہیڈ ....
DONDRA HEAD، واقع تھا۔ یہاں سے اٹھارہ میل پر
قالی نام کا (POINT DE GALLE) ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ وہاں
سے نکل کر ابن بطوطہ کلان بو (کولمبو) پہنچا، جو بادشاہ اور اس
کے وزیر بحر جالستی کا مقام سکونت تھا، بالآخر ابن بطوطہ
یہاں سے چل کر راجہ ایری چکر دتی کے پاس واپس آیا، کپتان ابراہیم
اس کے انتظار میں تھا، اس کے ساتھ معبر کو واپس ہوا۔

دکوہ سر اندیپ کی سب سے اُونچی چوٹی حالیہ پیمائش
سے ۸۲۹۶ فٹ بلند ہے۔ نشان قدم بابا آدم علیہ السلام
کی چوٹی ۷۳۵۲ فٹ بلند ہے۔

اسوقت غیاث الدین دامغانی گورنر تھا جو سابق گورنر جلال الدین کا داماد تھا، (مسلمانوں نے ۱۳۱۱ء میں معبر فتح کیا، سلطان محمد بن تغلق نے جلال الدین کو معبر کا فوجی گورنر مقرر کیا، لیکن اس نے ۱۳۳۴ء میں اپنے آپ کو خود مختار گردانا، پانچ سال بعد وہ قتل کر دیا گیا، اسکی جگہ پر ایک دوسرا سپہ سالار گورنر مقرر ہوا، اسکے بعد بالآخر غیاث الدین دامغانی فائز ہوا) ابن بطوطہ نے دہلی میں جلال الدین کی دوسری بیٹی سے عقد کیا تھا، گورنر کے دربار میں جانے کے لئے جوتے پہننا ناگزیر تھا، اس کے پاس جوتے نہ تھے کسی مسلمان عہدہ دار کو اتنی بھی اسلامی حمیت نہ تھی کہ ایک جوڑا پاپوش اس کو مستعار دیتا یا بنوا تا، ایک ہندو نے اسکی مدد کی، ابن بطوطہ جب غیاث الدین کے دربار میں داخل ہوا تو اس کی بڑی عزت کی گئی، اثناء گفتگو میں اس نے جزائر مالدیپ کو فوج بھیجکر فتح کرنے کا مشورہ دیا، سلطانہ کی بہن کے ساتھ غیاث الدین کا عقد اور تحائف وغیرہ کے منصوبے بھی طے کر لئے گئے۔ لیکن موسمی ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے یہ مہم ملتوی کر دی گئی۔ اور ابن بطوطہ گورنر کے ساتھ فتن چلا گیا، (شاید لگا پٹن ہو یا کاوری پٹن۔ آخر الذکر مقام ممکن ہے ۱۳۵۰ء کے قریب دریائے کاوری کے دہانہ پر طغیانی میں بہگیا ہو۔ اس سے پہلے نہیں، تعجب ہے کہ ابن بطوطہ بندرگاہ کائل کا ذکر نہیں کرتا ہے، جس کو مارکو پولو (CAIL) کہتا ہے، اور جو اسوقت تو تی کورن کے جنوب میں ٹامرا پرنی ندی کے دہانہ پر ایک بڑا مشہور مقام تھا) یہاں سے معبر کے دار الحکومت

باب (۱۰)

معبر سے ساحل کورومنڈل جاتے وقت ایک سخت طوفان اٹھا اور ابن بطوطہ کا جہاز پانی سے بھر گیا، اللہ تعالیٰ نے خیر کی کہ چٹانوں سے نہیں ٹکرایا، لیکن ساحل سے چھ میل پر کم گہرائی کے پانی میں پھنس گیا، لوگوں نے اپنا سارا سامان پھینک ڈالا، تاکہ جہاز تیر سکے، مستول کاٹ دیا گیا، لکڑی کے تختوں کو باندھ کر مسافروں کو ساحل تک پہنچانے کے لئے ایک عارضی سفینہ بنایا گیا، ابن بطوطہ کے دو ساتھی تھے اور دو کنیزیں تھیں آخر الذکر میں سے ایک تیرنا جانتی تھی وہ تو سفینہ کی رسی پکڑ کر ساحل کی طرف چلی گئی، بقیہ سفینہ پر سوار کرا دیئے گئے۔ ملاح بھی سفینہ کے ساتھ رسیاں پکڑ کے تیرتے چلے گئے۔ ہوا موافق تھی سفینہ ابن بطوطہ کے چند قیمتی اشیاء از قسم جواہر وغیرہ وغیرہ سمیت خشکی سے جا لگا۔ کپتان جہاز کے سکان پر سوار ہو گیا، اتنے میں رات ہو گئی ابن بطوطہ مجبوراً جہاز پر ہی ٹھیرا رہا۔ صبح ہی اس نواح کے کافر کشتی میں بیٹھ کر وہاں آئے، انکے ساتھ ابن بطوطہ معبر کے ساحل پر اتر پڑا۔ ملک کا یہ حصہ سلطان ہند کے علاقہ میں آچکا تھا، مقامی گورنر کو اطلاع دی گئی جو دو دن کی راہ پر قلعہ ہریکٹو میں مقیم تھا، (یہ ارکاٹ کا شہر نہ تھا صرف ایک قلعہ تھا ممکن ہے اس طرف کا سارا علاقہ ہریکٹو یا ارکاٹ کہلاتا ہو، لفظ ارکاٹ ٹامل زبان میں اری کد و معنی چھ جنگل تھا)

مدورا کو جانا قرار پایا، اور پھر وہاں سے جزائر مالدیپ کو مہم بھیجنا طے ہوا،

فتن سے مدورا جانے کے لئے درختوں اور دلدلی گھاس کے گنجان جنگلوں میں سے گذرنا پڑا اِس لئے گورنر کا حکم تھا کہ ہر شخص کلہاڑی ساتھ لے چلے، اور چھوٹا ہو کہ بڑا آدمی جنگل کے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنائے، راستہ میں جتنے بھی اصل باشندگانِ ملک ملتے تھے انکو ان کے عورتوں، بچوں کے ساتھ گرفتار کرلیا جاتا تھا، رات کو جہاں قیام ہوتا پڑاؤ کے گرد لکڑیوں کے ستون نصب کر کے چار دروازوں پر پہرے قایم کئے جاتے تھے - اگر جنگل کے لوگ پڑاؤ پر حملہ کرتے تو آگ جلاکر تیز روشنی کی جاتی، اور انکا تعاقب کیا جاتا، جو گرفتار کئے جاتے ان کو سولی دی جاتی - افسوس کا مقام ہے کہ بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا، ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گورنر کی اس بے رحمی کا بہت جلد انتقام لیا، اِس طرز عمل سے تنگ آکر ابن بطوطہ اجازت لے کر فتن چلا گیا، فتن بڑا شہر تھا اسکی بندرگاہ بہت وسیع تھی، ساحل پر سمندر میں بڑے بڑے ستون نصب کر کے گودی پانی میں دُور تک بنا دی گئی تھی، اگر کوئی دشمن حملہ کرتا تو جہازات اور کشتیاں سب اس گودی کے اندر محفوظ کر دیئے جاتے - شہر میں پتھر کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد تھی، یہاں عمدہ انگور اور انار پیدا ہوتے تھے، ابن بطوطہ نے شیخ محمد نیشاپوری سے ملاقات

کی۔ اس فرقہ کے درویشوں کے سر کے بال بہت لمبے ہوتے تھے، جنکو وہ گردن کے پیچھے لٹکتے چھوڑ دیتے تھے، پر شیخ نے ایک شیر ببر پالا تھا مریدوں میں سے ایک کا ہرن اس ببر کے ساتھ ایک ہی جگہ کھاتا پیتا اور رہتا تھا، ببر کبھی اہیں چھیڑتا تھا، اس زمانہ میں غیاث الدین گورنر معبر بیمار ہوکر وہاں آیا۔ ابن بطوطہ نے اس سے ملاقات کی اور ایک بیش بہا تحفہ اسکے نذر کیا، گورنر اسکا معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن اُسنے قبول نہیں کیا، بعد کو پچتایا کیونکہ دو ہفتے کے قیام کے بعد وہ مدورا گیا، اور وہاں کچھ دنوں بعد مرگیا، ابن بطوطہ کا فتن میں مزید دو ہفتے قیام رہا۔

اس کے بعد جب وہ مدورا گیا، تو وہاں مرض طاعون سے موت کا بازار گرم تھا۔ غیاث الدین کی ماں بیوی اور بیٹا سب اس مرض میں گرفتار تھے تین دن بعد غیاث الدین شہر سے تین میل کے فاصلہ پر ایک ندی کے کنارے اتر پڑا ابن بطوطہ بھی اس کے ساتھ ہولیا، قاضی کے ساتھ اس کے رہنے کا انتظام کیا گیا، ٹھیک چودہ دن بعد مرگیا۔ اور اسکی جگہ اس کا بھتیجا ناصر الدین معبر کا حاکم مقرر ہوا، ابن بطوطہ کو جزائر مالدیپ کی مہم کے لئے مقرر کیا گیا، لیکن وہ طاعون میں مبتلا ہوگیا۔ خوش قسمتی سے آدھ سیر تمر ہندی کا زلال بطور مسہل استعمال کرکے بچ گیا، ناصر الدین سے اجازت لے کر حالت نقاہت میں فتن واپس گیا، وہاں آٹھ جہاز یمن جانے کے لئے۔ تیار تھے، ان میں سے ایک پر سوار ہوگیا راستہ میں چار جنگی جہازوں سے جھڑپ رہی۔

لیکن بچ کر نکل گیا، اور کولم (QUILON) پہنچا، ابھی کمزوری باقی تھی اسلئے وہاں تین مہینہ ٹھیر کر جمال الدین سلطان ہینور کے پاس جانے کی غرض سے - ایک جہاز پر سوار ہوا - ہینور اور فاکنور کے بیچ میں ایک چھوٹے جزیرہ کے قریب (جو بعد کو کبوتروں کے جزیرہ کے نام سے مشہور ہوا) قزاقوں کے بارہ جنگی جہازوں سے مقابلہ رہا - بالآخر قزاقوں نے اسکا سارا سامان مال و اسباب چھین لیا - صرف جسم پر پاجامہ باقی رہ گیا، لوٹنے کے بعد قزاقوں نے مسافروں کو ساحل پر چھوڑ دیا، ابن بطوطہ کو اس بے سرو سامانی کے ساتھ کالیکٹ کی ایک مسجد میں پناہ لینا پڑی ایک فقیہ اور ایک سوداگر نے اسکو کپڑے دیئے اور قاضی نے عمامہ،

یہاں معلوم ہوا کہ جزائر مالدیپ کی سلطانہ خدیجہ نے وزیر جمال الدین کے انتقال کے بعد وزیر عبداللہ سے عقد کر لیا - اور ابن بطوطہ کی زوجہ کے جو اس کی روانگی کے وقت حاملہ تھی ایک لڑکا تولد ہوا قرآن مجید میں استخارہ کر کے دس دن کے بحری سفر کے بعد وہ جزیرہ کناموس پر پہنچا، وزیر عبداللہ کو جب معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ اپنے لڑکے کو (جو اسوقت دو برس کا تھا) لینے آیا ہے نہ کہ سلطان ہند کی طرف سے فوج کشی کرنے) تو اس کو جزیرہ محل میں اپنا مہمان رکھا، لڑکے کی ماں لڑکے کو اس کے سپرد کرنے کے لئے راضی نہ تھی، ابن بطوطہ نے بھی بالآخر یہی مناسب سمجھا کہ بچہ ماں کے پاس رہے، صرف دیکھ کر اسکو

واپس کر دیا، پانچ دن ٹھیر کر یمن جانے کا ارادہ فسخ کر دیا اور بنگال کو جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ اس خطہ زمین کو وہ بہت وسیع و شاداب بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے ملک میں اتنی ارزانی دیکھنے میں نہیں آئی۔ برایں ہم یہاں ایک قسم کی اداسی چھائی ہوئی تھی خراسان کے لوگ اس سرزمین کو اچھی چیزوں سے بھرا ہوا جہنم کہتے تھے ایک درہم کو آٹھ مرغ، یا پندرہ کبوتر ملتے تھے، دو درہم کو ایک فربہ مینڈھا، اعلیٰ قسم کا باریک کپڑا کم از کم پندرہ گز لمبا دو دینار کو اور ایک حسین کنیزک صرف ایک سنہری دینار یعنی مراکش کے ڈھائی سونے کے دینار کو دستیاب ہوتے تھے، مسافر سب سے پہلے خلیج بنگال کے ساحلی شہر سات گاؤں میں اترے، (جو حالیہ شہر ہوگلی کے شمال مغرب میں دریائے ہوگلی پر پرتگالیوں کے بندرگاہ ہوگلی کے قایم کرنے سے پہلے مشہور تجارتی شہر تھا۔ یول (Yule) کا خیال ہے کہ یہ شہر سات گاؤں نہیں بلکہ حالیہ چٹگانگ تھا، لیکن سلطان فخرالدین کا تعلق اس شہر سے ایک بعید قیاس معلوم ہوتا ہے) اس کے قریب ہی دریائے گنگا اور برہما پترا کا سنگم ہے، دریا پر ایک بھاری جنگی بیڑا رہتا تھا جس کو لے کر سلطان بنگال فخرالدین لکھنوتی کے باشندوں سے جنگ کرنے جایا کرتا تھا، لکھنوتی دراصل لکشمی وتی ہے، حالیہ شہر غور عرصہ دراز تک مسلم بنگالہ کے دارالحکومت کا قدیم نام تھا مسلمانوں نے سنہ ۱۲۰۳ء میں بنگالہ فتح کیا (غور کے کھنڈر مالدا کے قریب موجود ہیں) فخرالدین ممالک اسلام سے آنے والے مسافروں خصوصاً فقیروں اور صوفیوں

کابڑا دوست اور مہماں نواز تھا، سلطان ناصر الدین بنگالہ کا پہلا مسلم بادشاہ تھا، سلطانِ دہلی نے اس کے پوتے کو قید کر لیا تھا، محمد بن تغلق جب دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے اس کو اس شرط پر رہا کیا کہ بنگالہ کی بادشاہت میں سلطان دہلی کو شریک ملنے لیکن یہ وعدہ ایفا نہ ہوا اس لئے محمد بن تغلق نے اس سے جنگ کی اور اس کو قتل کروا دیا، اسکی جگہ پر اپنے ایک عزیز کو بادشاہ مقرر کیا، فوج والوں نے اس کو قتل کر دیا، لکھنوتی کے علیشاہ نے اسپر قبضہ کر لیا، جب فخر الدین نے دیکھا کہ بنگالہ کی حکومت ناصر الدین کے خاندان سے نکل گئی تو بحیثیت باجگذار خاندان ناصر الدین نے بغاوت کی اور خود مختار بن گیا، ہر موسم باراں میں اپنا بجری بیڑا لیکر لکھنوتی پر چڑھائی کرتا تھا، لیکن ختم بارش پر علی شاہ اسکا جوابی حملہ شروع کرتا تھا،

سات گاؤں سے ابن بطوطہ ایکماہ کا سفر کر کے کوہ کامروپ پہنچا، ان پہاڑوں کا سلسلہ چین اور تبت تک چلا جاتا ہے، تبت اپنے مشک والے ہرن کی وجہ سے اسوقت مشہور تھا، ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اس نواح کے باشندے ترکوں سے بہت مشابہت رکھتے تھے بہت محنتی اور تیزی سے کام کرتے تھے، ابھی شیخ جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ دو دن کی راہ تھی، کہ ان کے چار مُرید اس کی مشائعت کو آئے۔ کہا کہ شیخ نے انکو سیاح مغرب کے آنے کی خبر دی اور وہ اسکو بُلانے آئے تھے۔ یہاں کسی قسم کی کاشت نہ ہوتی تھی، شیخ کی سکونت ایک غار میں تھی، مسلم و غیر مسلم سب شیخ کی خدمت اشیائے

خورد و نوش و ملبوسات وغیرہ سے کرتے تھے، شیخ تمام سامان اپنے حلقہ کے درویشوں میں بانٹ دیا کرتے تھے، صرف ایک گائے کے دودھ پر بسر اوقات کرتے تھے، صائم الدھر تھے اور کہا ہے دس دن میں ایک مرتبہ روزہ افطار کرتے تھے انہیں کے برکات سے اس پہاڑ کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب ابن بطوطہ ان کے سامنے حاضر ہوا تو اٹھ کر بغلگیر ہوئے اور بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ تین دن وہ ان کا مہمان رہا، وقت ملاقات اس نے شیخ کو ایک بڑا پوستین پہنے ہوئے دیکھا، دل میں خیال کیا کہ خوب ہوتا شیخ اسکو یہ پوستین عنایت فرماتے، رخصت ہوتے وقت شیخ نے اسے یہ پوستین پہنا دیا، درویشوں نے بعد کو اس سے کہا کہ شیخ نے ابن بطوطہ کے آنے سے پہلے کبھی یہ پوستین نہیں پہنا تھا، ایک دن ان سے فرمایا کہ سیاح مراکش آئیگا، اور پوستین مانگے گا۔ جو در اصل شیخ برہان الدین ساغرج کا تھا، اس سیاح سے آگے چل کر ایک کافر فرمانروا یہ پوستین لے لیگا۔ مگر وہ بالآخر شیخ برہان الدین کو مل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک مدت کے بعد جب ابن بطوطہ چین کو گیا، تو شہر خنسہ (HONG-CHOW-FU) کے بازار میں بھیڑ کی کثرت سے وہ اپنے ساتھیوں سے چھوٹ گیا، اس وقت یہ پوستین پہنا ہوا تھا، اتفاقاً اس ملک کا وزیر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں آپہنچا، اس کو دیکھ کر پاس بلایا اور مصافحہ کرکے مزاج پرسی کی اسکا وطن دریافت کیا، گفتگو

کرتے ہوئے اس کو دربارِ شاہی میں لے گیا، بادشاہ چین نے مسلمان بادشاہوں کے متعلق سوال کئے اور اسکے پوستین کو بنظرِ پسندیدگی دیکھا وزیر نے کہا پوستین بادشاہ کے نذر کردو۔ مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا بادشاہ نے اسکے معاوضہ میں دس قیمتی پوشاکیں عطا کیں، ایک سال بعد وہ خان بالق (پیکن) پہونچکر شیخ برہان الدین ساغرج کی خانقاہ میں داخل ہوا تو شیخ کو وہی پوستین پہنے کتاب کا مطالعہ کرتے دیکھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے ان کو کامروپ سے خط لکھا، کہ ان کا پوستین ان کو ایک سیاحِ مغرب کے توسط سے پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے وہ خط پڑھا اور شیخ کی غیب دانی پر تعجب کیا۔ شیخ برہان الدین نے بیان کیا کہ شیخ جلال الدین صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھا کرتے تھے، اور حج کے زمانہ میں عرفہ اور عید کے دن مریدوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے اور کعبۃ اللہ کا حج کرکے واپس ہوتے تھے، کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کہاں گئے۔ اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ اللہ کے جوارِ رحمت میں داخل ہو گئے تھے

شیخ جلال الدین کے پاس سے چل کر ابنِ بطوطہ ہبنق (HABANQ) کے وسیع اور خوبصورت شہر میں

پہنچا جو ایک بڑی ندی پر واقع تھا، یہ کامروپ کے پہاڑوں سے نکلتی تھی، اور نیلی ندی (BLUE RIVER) کے نام سے مشہور تھی، اس کے دونوں جانب مثل دریائے نیل گاؤں آباد تھے، باشندے غیر مسلم تھے مگر مسلم حکومت کے تحت - ابن بطوطہ کشتی میں بیٹھ کر اس ندی کے راستے دریا کے دہانہ کی طرف چلا، سلطان فخر الدین کے حکم کے بموجب درویشوں سے کسی قسم کا کرایہ یا محصول نہیں لیا جاتا تھا - اِس سے بھی نہیں لیا گیا پندرہ دن کے سفر کے بعد وہ سونار گاؤں پہنچا، (جو ڈھاکا کے جنوب مشرق پندرہ میل پر واقع ہے اور مسلم بنگالہ کے تین دار الخلافتوں میں سے ایک تھا) یہاں سوماترا جانے والا ایک جہاز تیار تھا یہ سفر چالیس دن کا تھا، وہ اس پر سوار ہو گیا۔

باب (۱۱)

سونارگاؤں سے چلکر پندرہ دن بعد جہاز برہنہ کار نام کی قوم کے ملک کو پہنچا۔ جن کے مردوں کی صورت کتوں کی سی تھی اور عورتیں خوبصورت تھیں، یہ لوگ نہ ہندو تھے اور نہ مسلمان گھاس کی جھونپڑیوں میں ان کی بود و باش تھی، مرد یا تو پورے ننگے پھرتے تھے یا گھاس کی ایک تھیلی کمر سے لٹکا کر ستر چھپاتے تھے، عورتیں کمر سے نیچے پتے باندھ کر اپنی عُریانی دور کرتی تھیں، یہاں بنگالہ اور سوماٹرا کے مسلمان بھی رہتے تھے، لیکن ایک الگ محلہ میں، اہل ملک باہر سے آنے والے سوداگروں سے معاملہ ساحل ہی پر کیا کرتے تھے، اور ان کے لئے ملک کے اندرونی حصہ سے ہاتھیوں پر پانی بھر کر لاتے تھے۔ خود ان کو ملک کے اندر داخل ہونے نہیں دیتے تھے، اس لئے کہ ڈرتے تھے کہ ملک کی عورتیں کہیں انپر عاشق نہ ہو جائیں یہاں ہاتھی بہت تھے۔ مگر سب بادشاہ کی مِلک متصور ہوتے تھے، وہ اگر ان کو نہ بیچتا بھی تو کپڑے کے معاوضہ میں بیچتا تھا، پہلے یہ سمجھا گیا تھا کہ برہنہ کار کے لوگوں کا ملک جزیرہ انڈیمان یا نکوبار تھا، بعد کو حسب رائے یول اراکان قرار پایا جو برما میں جزیرہ نگریس (NEGROIS) کے قریب واقع ہے، ان کا بادشاہ ابن بطوطہ اور ان کے ساتھیوں سے ملنے ہاتھی پر آیا۔ بکرے کے پوستین کا لباس

پہنا ہوا تھا، سر پر تین رنگین ریشمی فیتے بندھے ہوئے تھے، اسکے ہمراہ کوئی بیس قرابت دار ہاتھیوں پر بیٹھ کر آئے، اہل جہاز نے بادشاہ کو فلفل، ادرک، الائچی، جزائر مالدیپ کی سوکھی مچھلی، اور بنگالہ کا بنا ہوا کپڑا بطور تحفہ دیا، یہاں کے باشندے خود تو کپڑا نہیں پہنتے تھے تیر تھ کے موقعوں پر ہاتھیوں کی پیٹھ پر بچھاتے تھے، ہر جہاز سے جو بندرگاہ ہذا میں آتا تھا ایک کنیزک، ایک سفید فام غلام، ہاتھی کی پیٹھ کی وسعت کا کپڑا، سونے کے زیورات (بادشاہ کی بیوی کے لئے کمربند، پازیب اور پاؤں کے چھلے) پیش کرنا لازمی تھا۔ اگر یہ خراج ادا نہیں کیا جاتا تو مشہور تھا کہ سمندر جاتے وقت جہاز جادو کے اثر سے طوفان میں پورا یا قریب پورا تباہ ہو جاتا تھا۔

یہاں سے چل کر سیاح ۲۵ دن بعد جزیرہ اسوماترا پر پہنچے، جو ان دنوں عام طور پر جاوا کہلاتا تھا، جاوی نام کی خوشبو کی شئے اسی جزیرہ سے منسوب تھی، جزیرہ آدھے دن کے راستہ سے دکھلائی دیا، بہت سرسبز و شاداب تھا، ناریل اریکا (ARECA) یعنی چھالیا (سپاری)، لونگ، عود الہند، کٹھل، آم، جامن، میٹھی نارنگی، اور کافور کے درخت بکثرت تھے، خرید و فروخت میں قلعی (TIN)، اور چینی زرخام کے ٹکڑے استعمال ہوتے تھے خوشبویات کے اکثر و بیشتر درخت کفار کے علاقہ میں تھے، مسلمانوں کے خطہ میں

بہت کم تھے، جب جہاز بندرگاہ میں داخل ہوا تو باشندے چھوٹی کشتیوں میں، ناریل، کیلے، آم، اور مچھلی لے کر پہنچے، امیر البحر کا نمائندہ بھی آ پہنچا، اور سوداگروں سے گفتگو کر کے انکو خشکی پر اترنے کی اجازت دی، جب سلطان کو ابن بطوطہ کے آنے کی خبر ملی تو امیر ڈولسہ (DOWLASA)، کو قاضی اور دیگر علماء کے ساتھ بھیجا۔ ان کے ہمراہ ابن بطوطہ اور اسکے چند ساتھیوں کی سواری کے لئے گھوڑے بھی تھے۔ ان پر سوار ہو کر وہ سلطان کے شہر سوماٹرا میں آئے جو وسیع اور خوشنما منظر تھا۔ لکڑی کی دیوار اور لکڑی کی میناروں سے گھرا ہوا تھا، ان دنوں ملایا کے جزائر عموماً جاوا کے نام سے مشہور تھے، جاوا صغیر سے مراد حال جزیرہ سوماٹرا اور جاوا کبیر سے مراد حالیہ جزیرہ جاوا متصور تھے، تیرھویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے تاجروں اور مبلغوں نے سوماٹرا میں بتدریج اسلام پھیلایا اس صدی کے آخری دس برس میں غالباً شہر سوماٹرا کی تاسیس سے چند سال قبل مسلمانوں نے اس جزیرہ پر اپنی بادشاہت قائم کی، اس زمانہ میں اکثر و بیشتر مسلمان بادشاہوں کا لقب الملک الظاہر تھا

سلطان سوماٹرا الملک الظاہر ایک ممتاز اور فیاض حاکم تھا اسکو فقیہوں سے بڑی انسیت تھی، دینی مسائل کے مباحث میں کفار کی تردید کی جاتی تھی تو بڑی خوشی سے سنتا تھا، منکسر المزاج

ایسا کہ جمعہ کی نماز کو پا پیادہ مسجد جاتا تھا، اسکی مسلم رعایا اسکے ساتھ جہاد میں ہم نوا تھی۔ کفار مسلمانوں سے دبتے تھے۔ اور جزیہ ادا کر کے اُس کے ملک میں امن سے زندگی بسر کرتے تھے، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی سلطان کے دربار میں داخل ہونے سے پہلے سواریوں سے اُتر پڑے اس مقام پر دو رویہ برچھیاں زمین میں سیدھی کھڑی کر دی گئی تھیں دربار کے کمرہ میں داخل ہوئے تو افسر متعلقہ نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا، سلطان کو ان کی حاضری کی ایک عریضہ کے ذریعہ اطلاع کی گئی ملازم ایک بقچہ لے آیا، افسر نے اس میں سے تین تہہ بند نکالے ایک خالص ریشم کا تھا دوسرا ریشم اور سوت کا اور تیسرا ریشم اور کتان کا تین لباس اندر پہننے کے تین انکے اوپر اور تین اونی ان سب کے اوپر پہننے کے تھے۔ جنمیں سے ایک سفید تھا، تین عمامے بھی عطا ہوئے سیاح اس طرح وہاں کا درباری لباس پہن کر کھانا کھانے کے بعد ایک باغ میں افسر متعلقہ کے ساتھ داخل ہوئے اور وہاں یک مکان میں بیٹھ گئے پھر امیر دولسہ (DOWLASA) نے دو کنیزک اور دو ملازم زرینہ سلطان کی طرف سے ابن بطوطہ کو عطا کر کے کہا کہ یہ تحفہ سلطان سوماترا نے اپنی بساط کے موافق بھیجا ہے، اسے معلوم ہے کہ بادشاہ ہند کے عطیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ابن بطوطہ امیر دولسہ سے دہلی میں مل چکا تھا، جبکہ وہ وہاں سفیر کی حیثیت سے آیا ہوا تھا تین رات گذر جانے کے بعد بموجب روایات ملک سیاح سفر کے

تکان سے آرام پاکر چوتھے دن جو جمعہ تھا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس اثناء میں وہ سلطان کی طرف سے روزانہ تین مرتبہ کھانے میوے اور مٹھائیوں سے سرفراز ہوتے رہے، جامع مسجد میں سلطان نماز سے فارغ ہوکر ایک خاص احاطہ میں رونق افروز ہوا ابن بطوطہ سے مصافحہ کرکے بیٹھنے کی اجازت دی اور سلطان محمد بن تغلق کے متعلق پوچھا پھر حالات سفر دریافت کئے نماز عصر تک مسجد ہی میں ٹھیرا رہا پھر شاہی لباس پہن کر (جو نفیس ریشم اور روئی کے بنے تھے) ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور شاہی محل کو روانہ ہوا۔ امراء دربار اس کے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہوئے، قاعدہ یہ تھا کہ اگر سلطان گھوڑے پر سوار ہوتا تو امرا ہاتھی پر سوار ہوتے تھے یہاں وہ دربار کے رسوم بیان کرتا ہے، گھوڑوں کو قیمتی زیورات پہنا کر رقص کراتے تھے۔ ایسا ہی جیسا کہ اس نے دربارِ دھلی میں دیکھا تھا،

ابن بطوطہ پندرہ دن مہمانِ شاہی رہا، چونکہ چین کے بحری سفر کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے اجازت لیکر روانہ ہوا، سلطان نے ازراہ کرم ایک جہاز اس کے لئے مہیا کیا، اور ہمہ قسم کا سازوسامان معہ قیمتی تحائف عطا کیا، اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اسکو جزاءِ خیر دے۔ سیاح سلطان کے ممالک کے کنارے پرسے جو بیس دن سفر کرکے مُل جاوا کے ملک کو پہنچے جو کفار کا علاقہ تھا۔ اور دو مہینے

میں طے ہوتا تھا، اس میں بہترین قسم کا صبر از قسم قاقلی و قماری دستیاب ہوتا تھا، صبر (یعنی ایلوے) کی ان قسموں ہی کی مناسبت سے ان مقاموں کا نام قاقلا و قمارا مشہور تھا، (قاقلا غالباً ملایا کا جزیرہ نما قریب حالیہ کیلنتان (KELANTAN) تھا۔ اور قمارا خمیر (KHMER) جو خلیج سیام کے مقابل کی جانب کمبوڈیا کا قدیم نام تھا)، سلطان سوماٹرا کے ملک میں صرف لوبان، کافور، لونگ اور کچھ عود الہند کی کاشت ہوتی تھی،

قاقلا کی بندرگاہ میں کئی جہاز سوداگروں کو لوٹ لینے کے لئے تیار تھے، اس جگہ جو جہاز آتا اس سے بھاری محصول لیا جاتا تھا، اگر اسکے دینے میں تاخیر ہوتی تو بہ جبر وصول کیا جاتا، قاقلا کا شہر خوبصورت تھا۔ اسکے گرد پتھر کی فصیل تھی، یہاں بار برداری کا سارا کام ہاتھیوں سے لیا جاتا تھا۔ لوگ عود ہندی کی لکڑی ہاتھیوں پر لاد کر لیجاتے اور گھروں میں جلاتے تھے، کیونکہ وہاں بڑی کثرت سے اسکے درخت تھے، البتہ باہر بھیجتے وقت کافی قیمت لی جاتی تھی۔ ہر شخص کے دروازے پر اس کی سواری کا ہاتھی تیار رہتا تھا، خواہ وہ ملازم سرکار ہو، یا سوداگر۔ شمالی چین و ختا میں بھی اسنے یہی کیفیت دیکھی،

مل جاوا کا بادشاہ غیر مسلم تھا، زمین پر بیٹھ کر اپنی فوج کے قواعد و فنون سپہ گری کا معائنہ کرتا تھا، بادشاہ کے سوا وہاں کسی کے پاس گھوڑے نہ تھے، ابن بطوطہ نے اس غیر مسلم کو جسطرح مسلمان سلام

کرتے ہیں۔ اسی طرح سلام کیا، بادشاہ نے ایک فرش بچھواکر اسکو بیٹھنے کے لئے کہا۔ ابن بطوطہ نے معذرت کی کہ جب بادشاہ خود زمین پر بیٹھا ہو تو وہ فرش پر کیونکر بیٹھ سکتا ہے۔ لیکن کہا گیا کہ اس ملک کا مہمانوں کے ساتھ یہی دستور ہے، وہ بیٹھ گیا۔ سلطان ہند کا کچھ ذکر رہا، تین دن مہمان رہنے کی دعوت دی گئی۔ اثنائے گفتگو میں ایک شخص نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوکر دیر تک وہاں کی زبان میں کچھ کہا۔ اُسکے گلے میں جلد سازوں کا سا مڑا ہوا ایک چاقو تھا۔ دونو ہاتھوں میں اس کے سرے پکڑ کر اس زور سے چاقو کو گردن پر دبایا، کہ سر کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے بیان کیا کہ وہ شخص اس کا موروثی ملازم تھا، بادشاہ کی محبت اور اس کے احسانات کے صلہ میں اس نے اپنے آپ کو اس پر سے فدا کر دیا۔ ایسا ہی جیسا کہ اس کے باپ نے بادشاہ کے باپ کے سامنے اور دادا نے بادشاہ کے دادا کے سامنے کیا تھا، پھر اس فدائی کے بیوی بچوں اور قریبی رشتہ داروں کے نام کافی تنخواہیں اور معاش جاری کر دی گئی۔

مل جاوا سے چل کر چونتیس (۳۴) دن سمندر کا سفر کرنا پڑا اسکے بعد بحرالکاہل میں داخل ہوئے۔ جس کا پانی مٹی کے رنگ کی وجہ سے سرخی مائل تھا، ہوا نام کو نہ تھی اس لئے ہر جہاز کے ساتھ کھینے کی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں، جیسا کہ قبل ازیں ملیبار کے پہلے سفر کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور وہ جہاز کو کھینچ کر آگے بڑھاتی تھیں

کشتی کھینے والوں کی دو جماعتیں مقرر تھیں اور وہ باری باری سے گاتے ہوئے اپنا کام کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ سفر ۳۷ دن میں طے ہوا۔ اور نہ عموماً ۵۰ تا ۵۰ دن صرف ہوا کرتے تھے۔ اب وہ قوم طوالسی کی سرزمین کو پہنچے۔ یہ قوم ترکی نسل سے تھی۔ ملک بڑا وسیع تھا، یہاں کا بادشاہ اپنے آپ کو چین کے بادشاہ کا مد مقابل سمجھتا، اور اس سے جنگ کر کے اپنے شرائط منواتا تھا، ابن بطوطہ کا جہاز گیلوکاری کی بندرگاہ میں پہنچا، اسوقت وہاں بادشاہ کی ایک بہادر لڑکی اردوجا نامی حکمراں مقرر ہوئی تھی، جنگ میں مشاق اور گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے بڑے سورماؤں کو شکست دیتی تھی۔ شہزادی نے جہاز کے کپتان محاسب سوداگروں اور ناخدا کو بلا کر اپنی فوج کے افسروں کے ساتھ ضیافت میں شریک کیا۔ ابن بطوطہ نے جانا مناسب نہیں سمجھا، جب معلوم ہوا کہ جہاز کا قاضی (جس کو وہاں بخشی کا لقب دیا جاتا تھا) یعنی ابن بطوطہ نہیں آیا تو اس کو بطور خاص طلب کیا گیا، اس نے شہزادی سے ترکی زبان میں گفتگو کی جو وہاں کی بولی تھی ہندوستان کے حالات دریافت کیے۔ وہاں وہ مصالح کا ملک مشہور تھا، جواب سنکر کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ اس ملک پر فوج کشی کروں اور اس کو فتح کرلوں، ابن بطوطہ نے کہا بہت اچھا اسکے بعد ابن بطوطہ کیلئے ملبوسات دو ہاتھیوں پر لاد کر چاول دو بھینسیں دس بکرے دو سیر شربت اور چار مرتبان سمندر کے سفر میں کھانے کی چیزوں سے

بھرے ہوئے (یعنی ادرک فلفل، لیمو اور آم غالباً اچار کی شکل میں) بھجوائے گئے، کپتان نے کہا کہ شہزادی کی فوج میں عورتیں مردوں کی طرح ملازم اور جنگ کرتی تھیں۔ اس کے فنِ سپہگری کی بڑی تعریف کی۔

[اس بیان کو تنقید کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ نے حافظہ کی غلطی سے مسافروں سے ترکمانوں کے ملک کا قصہ سن کر یہاں من وعن بیان کر دیا۔ (قارئین کو یاد ہوگا کہ سلطان اوزبک کی چوتھی بیوی کا نام بھی اردوجا بتایا گیا تھا،) یا یہ کہ مولف کتاب ابن جُزَیّ نے غلطی سے ترکستان کے مراعی کے کچھ حالات یہاں قلم بند کر دیئے ہا سیاح طوالسی کی سرزمین سے نکل کر سترہ دن سرعت کے ساتھ بحری سفر کر کے چین پہنچے۔

باب (۱۲)

چین کا ملک نہایت وسیع ہے۔ اس میں خوب کاشت ہوتی ہے۔ اناج، میوہ، سونا، چاندی بافراط پیدا ہوتے ہیں اس لحاظ سے ابن بطوطہ کہتا ہے کہ دنیا کا کوئی ملک چین کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس میں سے ایک دریا بہتا ہے جو وہاں کی زبان میں نہر الحیات کہلاتا ہے شہر خان بالق پیکن، کے قریب جس پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ جبال القردد (بندروں کے پہاڑ) کہلاتے تھے۔ یہ دریا چین کے وسط میں سے چھ مہینے کے سفر کا راستہ طے کرتا ہے۔ اور یہ آخر میں الصین گی کینٹن GANTON پہنچا ہے (زمانہ مابعد کی تحقیق سے چین کے جغرافی و تاریخی حالات و واقعات جو دریافت ہو سکے ان کے مقابلہ ابن بطوطہ کا یہ بیان مشتبہ اور ناقص ضرور محسوس ہوتا ہے لیکن اس وقت جو کچھ اطلاعات مل سکتی تھیں انھیں وہ قلم بند کر سکتا تھا، نہر الحیات کے پہلے حصہ سے مراد نہر الکبیر (گرینڈ کنال)، ہے پیکن (PEKING) اور یانگ تسی، YONG TSI، کے درمیان محض ساحلی رقبوں سے واقف تجار کو چین کے اندرونی نظام الانہار کا بہت محدود علم تھا، ہانگ چو (HANG CHOW) اور یانگ تسی کو نہر مغرب اور کینٹن سے غالباً از راہ سیانگ کیانگ SIANG-KIANG، ملاتا تھا اور اس لئے پے کیانگ (PAI-KIANG)

کے مدّ ِ مقصب کو چین کے مجموعی نظام الانہار کا مقصب سمجھتے تھے اس وجہ سے ابن بطوطہ کے اِس بیان کی توجیہہ بہت مشکل ہے، کہ زیتون بڑی آبی راستوں کے ذریعہ کینٹن اور نیز ہانگ چو سے ملحق تھا) نہر الحیات کے دونوں بازو آباد گاؤں، شاداب مزارع میوے کے باغات اور بازار تھے۔ ایسے ہی جیسے کہ مصر میں دریائے نیل کے بازو، بلکہ اس سے بھی زیادہ گنجان آباد اور زیر کاشت، آبپاشی کے پکھڑے کے چرخ بھی بہت تھے، چین میں نیشکر کثرت سے ہوتا تھا، مصر کے نیشکر سے بہتر، بیر اور انگور بھی بہت اچھے اور بکثرت ہوتے تھے، خربزہ خوارزم دخراسان کے خربزہ کی برابر، بلاد مغرب کے تمام میوے وہاں موجود تھے، یا تو ویسے ہی اچھے یا اُنسے بہتر گیہوں مسور اور ٹلے بھی نہایت عمدہ اور بافراط تھے،

ظروف چینی، زیتون اور چین کلاں (سین الکسین یا مہا چین) میں بنتے تھے، یہ پہاڑ کی مٹی کو جلا کر بنائے جاتے تھے، (یہاں ابن بطوطہ کو دھوکہ ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو چین میں عموماً بطور ایندھن استعمال ہوتا تھا، اور شاید اسی کی آگ میں چینی مٹی کے پتھر جلائے جاتے تھے، خود چینی مٹی کا پتھر ہے) چینی مٹی کے پتھروں کو آگ میں جلا کر پانی میں ڈالدیا جاتا تھا، جب نرم ہو کر کیچڑ بن جاتا تو اس کے ظروف تیار کئے جاتے تھے، بہترین ظروف ایسی مٹی سے بنائے جاتے تھے جو ایک مہینہ تک پانی میں سڑتی تھی، معمولی برتنوں کی مٹی صرف دس دن

بھگوئی جاتی تھی۔ چین میں یہ ظروف اتنے ہی ارزاں تھے جیسے دیگر ممالک میں معمولی مٹی کے برتن اُنکی قیمت چین کے باہر تھی، ہندوستان۔ بادِ مغرب۔ حتیٰ کہ مراکش تک فروخت کے لئے بھیجے جاتے تھے،

وہ کہتا ہے کہ چین کے مرغ بطخ سے بڑے ہوتے تھے، ایسا ہی اُن کے انڈے بھی۔ مگر بطخ بڑے نہیں تھے، مُرغا شتر مرغ کی برابر تھا، دلیکن یہ مبالغہ تھا، بعض اوقات اسکے تمام پر گر پڑتے تھے، اور نئے پر نکلنے تک گوشت کا لوتھڑا ہی نظر آتا تھا، چین کے لوگ کافر تھے ہندوؤں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے، اور اپنے مُردوں کو آگ میں جلا دیتے تھے، دسلیمان تاجر جو اس سے بہت پہلے چین گیا تھا کہتا ہے کہ مردہ دفن کیا جاتا تھا، جیسا کہ اسوقت بھی کیا جاتا ہی، لیکن مارکو پولو جلانے کی رسم کا ذکر کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ طریقہ اس زمانہ میں رائج ہوا ہو، اسوقت چین کا بادشاہ چنگیز خاں کی نسل سے تاتار تھا، چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک علیحدہ محلہ ہوا کرتا تھا، مسجدیں ہوتی تھیں جن میں نماز جمعہ پڑھی جاتی اور مذہبی تقاریب منائے جاتے تھے، مسلمان عموماً عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، چین کے کافر سور اور کتے کا گوشت کھاتے تھے، اور یہ گوشت بازاروں میں بکتا تھا، چینیوں کے پاس دولت بہت تھی، لیکن ان کی زندگی کا طریقہ بہت سادہ تھا، شان و شوکت کی نمایش نہ تھی ان کے بعض تاجر اتنے متمول تھے کہ اُن کی دولت کا شمار نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن وہ بھی روئی کا موٹا کپڑا

پہن کر پھرتے تھے، ان کے پاس سونے چاندی کے برتن بہت تھے
چھوٹے بڑے بوڑھے اور جوان لکڑی ہی کے سہارے چلتے تھے جسکو
وہ اپنا تیسرا پاؤں کہتے تھے، ریشم کی افراط تھی، ریشم کا کیڑا (دودۃ القز
یا دودۃ الحریر) جھاڑ کے پتوں اور میووں پر خود بخود پرورش پاتا تھا،
اس کے لئے کسی کے دیکھ بھال کی ضرورت نہ تھی، اس لئے چین
میں ریشم اتنا عام تھا کہ غریب سے غریب بھی اسے پہنتا تھا، ملک کے
باہر ہی اس کی قیمت تھی، خود چین میں روئی یا سوت کا کپڑا ریشم
کے کپڑے سے کئی گنا مہنگا ملتا تھا، چین کے تاجر اپنا سونا اور چاندی
گلا کر ۵۶ سیر یا اس سے زیادہ وزن کے ڈلے بنا کر رکھتے تھے۔

اُن کے ملک میں خرید و فروخت کے لئے نہ تو سونے کا دینار
مروج تھا اور نہ چاندی کا درہم، بیوپار کا ذریعہ سکۂ قرطاس ہی
تھا، جو ہتیلی کی برابر چوڑا کاغذ تھا، اور اسپر بادشاہ کی مہر ثبت
تھی، ایسے ۲۵ کاغذ ایک بالشت کہلاتے تھے، اور قیمت میں ایک
دینار کے مساوی سمجھے جاتے تھے، کاغذ میلا ہوتا یا پھٹ جاتا تو بلاد
مغرب کے دار الضرب کے مماثل ایک دفتر میں واپس کئے جانے پر
اسی قیمت کا دوسرا کاغذ مفت دیا جاتا تھا، لفظ بالشت خطائی
کے ترکوں کی زبان سے مستعار کیا گیا تھا جنھوں نے چین میں ایک
حکمراں خاندان لیاؤ LIAO نامی قایم کیا تھا، یہ خاندان پیکن میں
دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں حکمراں تھا، بالشت ترکستان

میں تیرھویں صدی کے آغاز میں بطور سکہ رائج تھا اور ۱/۲ ۴ پونڈ وزن کا فلزی ڈلا تھا، لفظ چین یا سین غالباً تسین TSIN حکمران خاندان سے منسوب ہے، جو ۵۵ ء سے ۲۰۹ ء تک قبل مسیح فائز تھا، مارکو پولو کہتا ہے کہ نیا سکہ قرطاس حکومت کی جانب سے ۳ فیصدی قیمت وضع کر کے دیا جاتا تھا، اس دفتر کا صدر ملک کے اُمرار میں سے بڑا امیر ہی مقرر ہو تھا، بالشت کے سوائے نہ تو سونے کے کسی سکہ سے بازار میں کوئی چیز خریدی جا سکتی تھی نہ چاندی کے سکہ سے۔

ابن بطوطہ پتھر کے کوئلہ کا ذکر کرتا ہے جو چین میں بجائے لکڑی کے کوئلہ کے مستعمل تھا، اسکو پھوڑ کر معمولی کوئلہ کے سے چھوٹے ٹکڑے کرلئے جاتے تھے، ہاتھیوں پر لاد کر یہ ٹکڑے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جاتے تھے، چین کے باشندے دست کاری اور صنعت میں دوسرے اقوام سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے علی الخصوص تصویر کشی میں، یونانی بھی ان سے پیچھے تھے، خود ابن بطوطہ کو اس کا کئی مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا۔ چین کے جس کسی شہر میں اس کا اور اس کے ساتھیوں کا گذر ہوا وہاں کے بازاروں میں ان بھوں کی تصویریں کاغذوں یا دیواروں پر کھینچ کر عوام کے مطالعہ کے لئے پیش کی جاتی تھیں، جب وہ اپنے ساتھیوں کی ہمراہ بادشاہِ چین کے پایۂ تخت میں شاہی محل کو عراقی لباس پہن کر جا رہا تھا

تو بادشاہ کے حکم سے ان سبھوں کی تصویریں ان کے بغیر علم مصوروں نے چپکے سے کھینچ لیں اور بازار میں لٹکا دیں بوقت واپسی انھوں نے ان تصویروں کو دیکھ کر پہچان لیا، غور کرنے پر بھی اصل سے ذرا بھی مختلف نہ پایا۔ ہر مسافر کی شبیہ اسی طرح دوران قیام چین تیار کرائی جاتی تھی اگر کوئی شخص جرم کرکے چین سے بھاگ جاتا تو اسکی تصویر کے ذریعہ اسکا پتہ چلایا جاتا اور وہ پکڑ منگایا جاتا،

اگر کوئی مسلمان سوداگر چین کے کسی شہر میں جاتا تو یا تو وہاں کے کسی مقیم مسلمان کے ہاں ٹھیر سکتا یا سرکاری مسافر خانہ میں اس کے لئے رہنے کھانے پینے کی تمام ضروریات مہیا کردی جاتیں اور اس مال واسباب کا پورا پورا احساب رکھا جاتا، اور اسکی حفاظت کی جاتی، اگر کوئی مسافر دوران قیام وہاں کی کسی عورت کو بطور جاریہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا، تو اسکا بھی فوری انتظام کیا جاتا تھا، لونڈیاں بہت سستی تھیں چین کے باشندوں میں بچوں کو بطور کنیزک یا غلام بیچنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، اگر مسافر کے ساتھ اسکی واپسی کے وقت کنیزک جانا نہیں چاہتی تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر وہ جانا چاہتی تو اس کو کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا، البتہ عیاشی اور زناکاری ممنوع تھی، سفر کے لئے چین بہت محفوظ ملک تھا، لوگ مہینوں اس میں بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی اشیاء لے کر سفر کر سکتے تھے، کوئی انکو لوٹ نہیں

سکتا تھا، حکومت نے اپنے مقامی عہدہ داروں کو اس امر کا ذمہ دار گردانا تھا کہ کسی مسافر کا مال چوری نہ جائے،

ابن بطوطہ سب سے پہلے جس شہر میں داخل ہوا وہ زیتون تھا، جس کو چینی زبان میں تسوان چو فو (T'SWAN-CHOW-FU) کہتے تھے، اسکا ریشمی کپڑا جو شہر کی مناسبت سے زیتونی اور بالآخر یورپ کی زبانوں میں ساٹن (SATIN) کے نام سے مشہور ہوا۔ خنسا اور خان بالق کے کپڑوں سے بھی بہتر تھا، شہر زیتون بہت بڑا اور اس کی بندرگاہ تمام دنیا کی بندرگاہوں میں سب سے بڑی تھی۔ ابن بطوطہ نے وہاں ایک سو بڑے چینی جہاز (JUNK) دیکھے چھوٹے جہاز شمار سے باہر تھے، سمندر کا پانی دریا کے دہانہ میں گھس کر بندرگاہ بہت وسیع ہو گئی تھی، چین کے ہر شہر میں ہر شخص کے مکان کے ساتھ اسکا باغ اور کھیت بھی ایک ہی جگہ ہوتا تھا، جیسا کہ مراکش کے شہر سجلماسہ میں تھا، اس لئے چین کے شہر بہت وسیع ہوتے تھے، مسلمانوں کا محلہ بالکل علیحدہ تھا،

جس روز وہ شہر زیتون میں پہنچا وہاں اُسنے اس چینی امیر کو دیکھا جو سُلطان ہند کے پاس بطور سفیر آیا تھا، اور جس کا جہاز بعد کو ابن بطوطہ اور اسکے ہمراہ چین کو تحائف سلطانی لیجانے والے وفد کے جہاز کے ساتھ طوفان میں تباہ ہو گیا، امیر نے اسکو پہچان کر سلام کیا، اور بندرگاہ کے حاکم (صاحب دیوان) سے اسکا تعارف

کرایا اور اس کے وہاں ٹھیرنے کا مناسب انتظام کروایا، مسلمانوں کا قاضی شیخ الاسلام اور سربرآوردہ سوداگر اس سے ملنے آئے ان کے منجملہ شرف الدین تبریزی تھا جس سے ابن بطوطہ نے ہندوستان میں داخل ہوتے وقت روپیہ قرض لیا تھا اور جس نے اسکے ساتھ اسوقت بہت اچھا سلوک کیا تھا، وہ حافظ قرآن تھا، اور ہمیشہ اپنی قرأت سے مسلمانوں کو مستفیض کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی مسلمان مسافر ایسے دور دراز مقام پر چلا آتا وہاں کے مسلم تجار انتہا درجہ مسرور ہوتے اور باتباع ہدایت قرآنی اپنی زکوٰۃ کی رقم اُس کو دیتے اور اس کو دولتمند بنا دیتے اس وقت شہر زیتون میں منجملہ دیگر شیوخ کے شیخ برہان الدین گازرونی رہتے تھے۔ ان کی خانقاہ شہر کے باہر تھی۔ جیساکہ ایک سابقہ باب میں ذکر کیا گیا، شیخ ابو اسحاق گازرونی کے نذر و نیاز کی رقم جو سوداگر ادا کرتے تھے انھی کے سپرد کیجاتی تھی۔

صاحب دیوان نے خاقان چین کو ابن بطوطہ کے منجانب سلطانِ ہند آنے کی اطلاع دی دربار میں طلبی ہونے تک اس نے درخواست کی کہ حکومت اس کو چین کلاں (مہا چین یا صین الصین) دکھانے کے لئے کسی کو اس کے ساتھ متعین کردے، یہ درخواست مقبول ہوئی۔ اور وہ ایک چینی جہاز پر جسکے بادبان گھاس کے بنے ہوئے کپڑے کے تھے سوار ہوا، اور ندی اور نہروں کا ۲۷ دن سفر کیا

(ابن بطوطہ کے اس دریائی سفر از سوان چو تا کینٹن کی صحیح تفصیل کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے، یول (YULE) کا خیال ہے کہ یہ سفر دریائے مین (MIN) پر فوچو (FOOCHOW) سے شروع ہوا اور کان یر (KAN) سے ہوتا ہوا رہگذر مئے لنگ (MEI-LING PASS) سے پے کیانگ (PEI-KIANG) پر ختم ہوا اگر حقیقت حال یہی ہے تو بڑے چکر پھیر کے راستہ سے ہوا، گب (GIBB) کا خیال ہے کہ مئے (MEI) اور تنگ (TUNG) ندیوں کے راستہ سے (بشرطیکہ ان پر جہاز رانی ممکن تھی) سفر بہت جلد ہی طے ہو سکتا ہے) ہر روز دوپہر کو جہاز کسی گاؤں کے پاس دریا کے کنارے باندھ دیا جاتا ضروری سامان خرید کر نماز ظہر پڑھنے کے بعد سیاح پھر جہاز پر سوار ہو جاتے، اور اپنا سفر جاری رکھتے، شام کو ایک دوسرے گاؤں کے پاس ٹھیرتے اس طرح وہ چین کلاں یا سین السین کو پہنچے، یہاں بھی ظروف چینی بنتے ہیں - اور اس شہر کے قریب نہر الحیات کا پانی سمندر میں گرتا ہے، اس لئے اس کو التقاء المائین کہتے تھے،

وسعت اور بازاروں کی خوبی کے لحاظ سے یہ شہر صف اول میں شمار ہوتا تھا، اسکا چینی مٹی کے برتنوں کا بازار بہت ہی بڑا تھا، یہیں سے ظروف چینی کے دوسرے شہروں، ہند اور یمن کو بھیجے جاتے تھے، وسط شہر میں ایک عالی شان مندر تھا جس کے نو پھاٹک تھے - ہر پھاٹک کے اندر ایک فنار یا کشادہ صحن تھا. جسکے

تختوں پر مندر کے اہالی بیٹھتے تھے، دوسرے اور تیسرے پھاٹک کے بیچ میں جو کمرے تھے اُن میں اندھے اور دوسرے معذور رہتے تھے۔ ان سبھوں کو حکومت کی طرف سے کھانا کپڑا ملتا تھا اندر ایک بیمارستان بھی تھا، بوڑھوں یتیموں اور بیواؤں کی امداد کا بھی یہاں انتظام تھا، سابق کے ایک بادشاہ نے یہ مندر بنایا تھا اور اس کے لئے گاؤں اور جائدادیں وقف کردی تھیں وہاں اسس بادشاہ کی شبیہ بھی بنائی گئی تھی جس کو لوگ پوجتے تھے
احسب رائے یول یہ مندر کنیسۂ جاہ وجلال و فرائض الاطفال تھا جو مالیہ شہر کنٹین (CANTON) کے شمال شہر کے ایک حصہ میں مسلمانوں کا ایک محلہ تھا، جہاں انکی جامع مسجد، مسافرخانہ، اور بازارات تھے، جیسا کہ ہر شہر میں ہوا کرتا تھا، یہاں بھی انکا ایک قاضی اور شیخ الاسلام رہتا تھا، قاضی مسلمانوں کے عدالتی مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا، اور شیخ الاسلام ملتِ اسلامیہ اور چین حکومت کے مابین ربط قایم رکھتا تھا، ابن بطوطہ اوحد الدین سنجاری کے مکان میں چودہ دن ٹھیرا بہترین اخلاق کا انتہائی دولتمند شخص تھا، تجار کی طرف سے ابن بطوطہ کی روزانہ ضیافت کی جاتی تھی اور اور بیش قیمت تحائف دیئے جاتے تھے، لوگ خوشنما اور آراستہ کشتیوں میں گانے والوں کو ساتھ لئے ہوئے آتے تھے، کہتا ہے سین کلاں کے آگے کوئی شہر کفار یا مسلمانوں کا نہیں تھا مشہور

تھا کہ سد یاجوج و ماجوج وہاں سے ساٹھ دن کا سفر تھا، راستے میں
آدم خور انسان رہتے تھے اس لئے کوئی شخص اس مقام تک جانے
کی جرأت نہیں کرتا تھا کسی نے اسکو نہ تو دیکھا اور نہ دیکھنے ہوئے سے
ملاقات کی (مارکو پولو بھی فو کی ین (FUKIEN) اور کیانگ سی یا
شئے کیانگ کے درمیانی پہاڑوں میں ایک آدم خوار قوم کا ذکر کرتا ہے
ابن بطوطہ کو چین کی گریٹ وال (GREAT WALL) کا شاید علم ہوگا مگر
ممکن ہے اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ دیوار سارے ملک کو گھیرے ہوئے
تھی۔ مارکو پولو نے اس دیوار کا کہیں ذکر نہیں کیا)۔

شہر زیتون کو واپس جانے کے بعد خاقان چین کے دربار میں
اسکی طلبی ہوئی۔ بڑے اعزاز کے ساتھ بطور ایک سرکاری مہمان
کے اسکو ایک ایسی کشتی میں بٹھایا گیا جو گورنروں کے سفر کے لئے
مخصوص تھی، حکومت اور دوستوں کی طرف سے بہت سامان
خورونوش اس کے ساتھ کر دیا گیا، دس دن کے سفر کے بعد شہر قنجنفو
پہنچا، جو اسوقت ملک کا پایہ تخت تھا، بہت بڑا اور خوش منظر شہر
ایک میدان میں واقع تھا، اس کے اطراف میوے کے باغ تھے،
جن کی وجہ سے غوطۂ دمشق کا شبہ ہوتا تھا، زیول کا قیاس ہے کہ قنجنفو
فو ہو (FU-HO) ندی پر صوبہ کیانگ سی (KIANG-SI) میں شہر
کی این چانگ فو (KIEN-CHANG-FU) ہے بعد کو بسوام قنجنفو کے ایک
دوسرے مقام کا جو ذکر آیا ہے وہ کرو یانگ (PO-YANG SEA)

اس صورت میں سفر بڑے چکر پھیر کے راستہ سے ہوگا، ایسے کسی مشہور تجارتی راستہ کا پتہ نہیں چلتا۔ گب کی رائے ہے کہ چونکہ ابن بطوطہ کو ہانگ چو جانے میں ۳۱ دن سفر کرنا پڑا اور اس کے مخالف سمت میں مارکوپولو نے یہی سفر ۲۷ دن میں طے کیا، اس لئے غالباً ان دنوں سفر دوں کا راستہ ایک ہی تھا، بس قنجنفو سے مراد خود فوچو (FU CHU) ہے۔ اس لئے صاحب رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان تاجر شہر فوچو کو قنجنفو کہتے تھے، ایسا ہی جیسا کہ تسوان چو کو زیتون،)

شہر کے باہر قاضی، شیخ الاسلام، اور مسلم تجار نے اسکا استقبال کیا حاکم شہر بھی بعد کو آپہنچا اور اس کو لے کر شہر کے اندر داخل ہوا، کہا اسکی چار فصیلیں تھیں، ایک فصیل کے گرداگرد دوسری۔ پہلی اور دوسری فصیل کے بیچ میں خاقان کے غلام اور محافظ رہتے تھے، دوسری اور تیسری کے درمیان فوج کا جنرل جو شہر کا گورنر بھی تھا سوار فوج کے ساتھ رہتا تھا، تیسری فصیل مسلمانوں کے مکانات کو گھیرے ہوئے تھی، اور چوتھی فصیل خالص چینی محلہ کے گرد قایم تھی یہ محلہ سب سے بڑا تھا، دوران قیام قنجنفو ایک روز ایک بہت بڑا جہاز وہاں آیا، اس کا مالک ایک بہت ہی ممتاز اور قابل احترام فقیہ مانا جاتا تھا، اس نے ابن بطوطہ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اسکا نام مولانا قوام الدین سبتی تھا، ابن بطوطہ نے جب

اس کو بغور دیکھا تو پہچان لیا کہ وہ البشری تھا جسکی اس سے دہلی میں ملاقات ہوئی تھی اسوقت وہ بہت ہی کم عمر مگر بڑا ہی ذہین طالب علم تھا۔ اپنے ماموں ابو القاسم ساکن مرسیہ کے ساتھ ہندوستان آیا ہوا تھا سلطان نے اس کو تین ہزار دینار دے کر دربار میں رہنے کو کہا لیکن اس نے انکار کیا، اور چین آکر تجارت کرلی جسکے ذریعہ خوب دولت کمائی ابن بطوطہ مراکش کے شہر طنجہ کا باشندہ تھا۔ تعجب کا مقام ہے کہ ان دونوں کی ملاقات پہلے دہلی میں ہوئی پھر قنجنفو میں اس لئے بڑی محبت سے ایک دوسرے کے بغلگیر ہوئے اس زمانہ کے مسلمانوں کی اولوالعزمی کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ البشری کے بھائی سے ابن بطوطہ نے بعد کو مغربی افریقہ کے وسط میں (بمقام سجلماسہ) ملاقات کی،

قنجنفو میں ۱۵ دن ٹھیر کر ابن بطوطہ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چین کا ملک باوجود اسکی ہمہ قسم کی خوشگواری کے کفر کے پنجہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ابن بطوطہ کے پسند خاطر نہ آیا۔ وہ وہاں صرف مسلمان عارضی مقیموں ہی سے ملتا رہا۔ البشری کے الطاف ایسے کریمانہ تھے کہ ابن بطوطہ شہر سے روانہ ہوتے وقت وہ چار دن کی راہ تک اس کے ساتھ بیوام قتلو کے چھوٹے شہر تک اسکو پہنچانے آیا جہاں چینی فوج مقیم تھی۔ (ممکن ہے بیوام قتلو در اصل بیان قتلغ کسی تاتار سردار کا نام ہو جو فوج کے ساتھ اس مقام پر متعین تھا) کہتا ہے یہاں صرف چار مسلمان گھر تھے، جن میں البشری کے کارپرداز

رہتے تھے - ایک مکان میں ابن بطوطہ تین دن مہمان رہا - اس کے بعد البشری نے اس کو خدا حافظ کہا - اس طرح دریا پر سفر کرتا ہوا ابن بطوطہ شہر خنسا یعنی ہانگ چو HONGCHOW پہنچا جس کو وہ دنیا کے تمام شہروں میں جو اس نے دیکھے سب سے بڑا تصور کرتا ہے - اور سیاحوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس شہر کے آر پار جانے کے لئے تین دن کا سفر کرنا پڑتا تھا، اس کے استقبال کے لئے قاضی شہر و شیخ الاسلام معہ ارکان خاندان عثمان بن عفان مصری ایک بڑے جھنڈے کے ساتھ باجے بجاتے ہوئے آئے حاکم شہر بھی اپنے ساتھ کے عہدہ داروں کو لئے ہوئے ملنے آیا - خنسا کے چھ حصے تھے ایک میں شہر کی محافظ فوج یا پولیس (کوئی بارہ ہزار آدمی) معہ سرداروں کے رہتی تھی، ابن بطوطہ سردار فوج کے پاس پہلی رات مہمان رہا، دوسرے روز شہر کے دوسرے حصہ میں یہودیوں کے دروازے سے داخل ہوا اسمیں یہودی، عیسائی، اور آفتاب پرست ترک رہتے تھے، اس حصہ کا حاکم بھی چینی ہی تھا، ابن بطوطہ ایک رات اس کا مہمان رہا، تیسرے دن شہر کے اس حصہ میں پہنچا، جہاں مسلمان آباد تھے، یہ حصہ بہت پاکیزہ اسلامی شہروں کے انداز پر بنایا گیا تھا. اسمیں مسجدیں تھیں، موذن اذان دیا کرتے تھے - عثمان بن عفان مصری کے خاندان والے یہاں مقیم تھے، عثمان بڑا دولتمند تھا، اور اسکو اس شہر سے بڑی انسیت تھی، یہیں رہ گیا، اُس کے بعد اس

حصّہ شہر کا نام عثمانیہ مشہور ہو گیا، عثمان کے اوقاف سے مسجد کی امداد اور دوسرے بڑے رفاہی کام جاری تھے۔ یہاں مسلمان بڑی تعداد میں رہتے تھے خنسا کی جامع مسجد بھی عثمان ہی کی بنائی ہوئی تھی؛ ابن بطوطہ پندرہ دن مسلمانوں کا مہمان رہا، سبھوں نے بڑی محبت سے اس کی نہایت پُر تکلف دعوت کی۔ ہر روز ایک نئی ضیافت تھی ایک روز ابن بطوطہ اپنے میزبانوں کے ساتھ شہر کے چوتھے حصہ میں داخل ہوا جو دار الحکومت تھا، یہاں صدر حاکم قرطائی (QURTAY) کی قیام گاہ تھی، جب دروازے میں سے گذرے تو ابن بطوطہ سے اُسکے ساتھی چھوٹ گئے ایسی حالت میں وزیر نے اسکو جلال الدین شیرازی کا پوستین قبا پہنے دیکھا اور اپنے پاس بلایا، الغرض یہی وہ تمام واقعات پیش آئے جو پوستین کے اس سے لے لئے جانے کے متعلق قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ شہر کے اس حصہ میں جو سب سے خوبصورت ہے سوائے خاقان کے ملازمانِ خاص و غلامان کے کوئی نہیں رہتا تھا، اسمیں تین نہریں بہتی ہیں، ایک وہ جو دریا سے نکالی گئی ہے؛ اس نہر پر سے شہر کے لئے پتھر کا کوئلہ اور سامانِ خورد و نوش لایا جاتا تھا، یہ حصّہ نہایت وسیع تھا اس کے بیچ میں دور اصل جنوبی حصہ میں م قرطائی یعنی وائسرائے کا محل تھا، اُس کے اندر چھتہ بازار تھے جنمیں بیٹھ کر صناع کپڑا بنتے اور ہتیار بناتے تھے۔ قرطائی نے کہا کہ ۱۶ سو بہترین کاریگر یہاں کام کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ تین چار شاگرد تھے

یہ لوگ پابہ زنجیر تھے شہر کے اندر گھوم سکتے تھے لیکن باہر نہیں جا سکتے تھے دس سال کی خدمت کے بعد انھیں شہر سے باہر جانے کی اجازت تھی، لیکن خاقان کا ملک چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے پچاس سال کی عمر کے بعد انھیں نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، ان کی پرورش حکومت خود اپنے ذمہ لے لیتی تھی، اسی طرح دوسرے بوڑھوں کے ساتھ بھی رعایت کی جاتی تھی، ساٹھ سال کی عمر کے بعد چین کا آدمی قانونی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا، مسن آدمیوں کی بڑی عزت کی جاتی تھی، چونکہ یہ دور تاتاری حکومت کا تھا اس لئے ان کو آتا یعنی باپ کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا، اسوقت چین کا سب سے بڑا امیر قرطائی کہلاتا تھا، جو ترکی زبان میں سپہ سالار کا لقب تھا، لفظ دراصل قراطائی تھا، باوجود اتنے بڑے درجہ پر فائز ہونے کے اُس نے ابن بطوطہ کی ضیافت کے وقت اپنے ہاتھ سے اس کے سامنے رکابیاں رکھیں، اور کھانا پیش کیا، مسلمانوں کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت پکوایا گیا، تین دن کی مہمانی کے بعد ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی، امیر کے فرزند کی ہمراہی میں سیر کی خاطر ایک جہاز پر سوار کرائے گئے اس امیرزادہ کو فارسی زبان سے بہت انسیت تھی، وہ ایک علیحدہ کشتی پر سوار تھا، گانے والے چینی، عربی، فارسی، زبانوں میں پڑھتے جاتے تھے، فارسی کے چار شعر امیرزادہ کو بہت پسند آئے ان کو بار بار دھرانے کے لئے کہا لیکن افسوس

ہے کہ ابن بطوطہ نے ان کو قواعد عروض سے غیر منطبق طریقہ پر نقل کیا ہی، انکا مفہوم یہ ہے :-

"جبتک ہم دنیا کے جھگڑوں میں مبتلا رہے فکر مند رہے، لیکن جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ان فکروں سے چھٹکارا نصیب ہوا"

اس نہر (نہر کبیر)، پر رنگین ریشمی کپڑے کے پردوں سے آراستہ کئی جہاز تماشا بینوں سے بھرے ہوئے تھے، مذاق کے طور پر ان کے آپس میں ایک مصنوعی جنگ ہوئی، جس میں بجائے تیر کے لیموں اور نارنگیوں سے ایک دوسرے پر حملہ کیا گیا، شام کو مہمان قرطائی کے محل کو واپس ہوئے. اس شب قرطائی نے اپنے محل کے کھلے صحن میں ان مہمانوں کے سامنے شعبدہ بازی کرائی، خاقان کے ایک غلام نے لکڑی کا ایک گولا جس کے سوراخوں میں سے چمڑے کی لمبی ڈوریاں نکلتی تھیں، ہوا میں اوپر کی طرف پھینکا، اور گولا نظر سے غائب ہو گیا، لیکن ایک ڈوری شعبدہ باز کے ہاتھ میں رہ گئی، پھر اس نے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ ڈوری پکڑ کر اوپر تک چڑھ جائے، اسنے ایسا ہی کیا اور وہ بھی نظر سے غائب ہو گیا، پھر لڑکے (یعنی غائب شدہ شاگرد) کو تین مرتبہ پکار کر کہا واپس آجائے، جب وہ نہیں آیا تو خود غصہ کی صورت بنا کر ڈوری کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا، اور نظر سے غائب ہو گیا، اسکے بعد لڑکے کا ایک ہاتھ پھر دوسرا ہاتھ، ایک پاؤں پھر دوسرا پاؤں پھر اسکا دھڑ اور بالآخر سر کٹ کر زمین پر گر پڑے، کچھ دیر بعد

شعبدہ باز خود نیچے اُتر آیا، سانس پھولا ہوا، اور کپڑے خون آلود تھے امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دے کر چینی زبان میں کچھ کہا، امیر نے حکم دیا اور اس نے لڑکے کے جسم کے ٹکڑے کو جوڑ کر ایک ٹھوکر ماری اور لڑکا بھلا چنگا اٹھ کھڑا ہوا، ابن بطوطہ کو مارے ہیبت اور حیرت کے اختلاجِ قلب ہونے لگا۔ قاضی فخرالدین اسکے بازو بیٹھے تھے انہوں نے اس سے کہا کہ یہ سب نظر کا دھوکا تھا نہ تو کوئی شخص ہوا میں غائب ہوا، نہ لڑکے کے اعضاء کاٹے گئے سب شعبدہ بازی تھی اس کے دوسرے دن شہر کا پانچواں حصہ دکھایا گیا جو سب سے بڑا اور چینی عوام الناس کے لئے مخصوص تھا، سیاح یہاں ایک رات ٹھیر کر پچھلے اور آخری حصے میں بلی ماران کے دروازے سے داخل ہوئے جسمیں صرف ملاح، ماہی گیر، نجار، پیدل فوج کے ملازم اور تیر انداز ہی رہتے تھے، بالآخر امیر قرطائی نے ابن بطوطہ کو ایک جہاز پر سوار کرا کے چین کے اس آخری صوبہ کے شہر سے خطائے کیطرف روانہ کیا،

خطائے کی سرزمین کاشت کے لئے بہترین ہے، اس کا ذرا سا حصہ بھی کھیت سے خالی نہیں، خنسا سے خان بالق (پیکن) تک ۶۴ دن کا راستہ تھا، دریا کے دونوں بازو باغات اور کھیت مسلسل نظر آئے یہاں سوائے چند مسافروں کے کوئی مستقل سکونت کا مسلمان نظر نہیں آیا۔ ابن بطوطہ اس کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ اس خطہ چین میں کوئی

شہر نہ تھا، صرف چھوٹے گاؤں اور کھیت ہی تھے ایسا اسنے سوائے عراق کے (مابین عراق و عانہ) ، کہیں کسی اور جگہ نہیں دیکھا، (مورخین و سیاحِ چین نے خطائے سے متعلق اِس بیان کو خلافِ واقعہ ثابت کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ نے اس، سرزمین کے متعلق صرف چند لوگوں سے سُنی ہوئی باتیں، بیان کیں۔]

خان بالق سے دس میل پر جہاز ٹھیرا دیا گیا، امیر البحر کی اجازت ملنے پر سیاح شہر کی بندرگاہ میں داخل ہو سکے۔ شہر کو بہت وسیع بتا کر کہتا ہے کہ اس کے تعمیر کی طرز چین کی عام طرز سے جداگانہ تھی یعنی شہر کے اندر مکانوں کے ساتھ باغات نہ تھے، بلکہ مثل دیگر ممالک کے شہر کے باہر تھے، یہاں ابن بطوطہ شیخ برہان الدین ساغرج کے ہاں ٹھیرا۔ جس کا قبل ازیں ذکر آچکا ہے، کہ سلطانِ ہند سے ۴۰ ہزار دینار لے کر اپنے قرضے پھیرے لیکن ہندوستان آنے کے لئے راضی نہ ہوا اور، چین چلا گیا، خاقان نے اسکو صدر الجہاں کا خطاب عطا کرکے چین کے تمام مسلمانوں کا صدر قرار دیا۔ خاقانِ چین کو لوگ بادشاہ بھی کہتے تھے، غیر مسلم ممالک میں اس سے بڑھ کر کسی فرماں روا کی حکومت اتنے وسیع رقبہ پر نہ تھی۔ شہر کے اندرونی حصہ میں اس کا محل تھا جس کا بیشتر حصہ نقش و نگار کی ہوئی لکڑی کا بنا تھا،

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جب وہ خان بالق پہنچا، تو خاقان اپنے ایک

رشتہ کے بھائی دیا بھتیجے) فیروز سے لڑنے کے لئے خطائے میں قراقورم اور بیش بالغ کو گیا ہوا تھا، (اسوقت چین کا بادشاہ ٹوگون تیمور (TOGON TIMUR) تھا۔ جس نے ۱۳۳۳ء سے ۱۳۷۱ء تک بادشاہت کی۔ قراقورم مغول کا پہلا پایہ تخت تھا، اب اُس کے مقام پر ایردینی ٹسو (ERDANI-TSO) کا معبد یا مذہبی خانقاہ قائم ہے، یہ شہر اور خون ندی کے سیدھے جانب آباد تھا، کوئی دوسو میل ارگا کے مغرب جنوب مغرب سمت میں اور بیرونی منگولیا میں ۲۰ میل قرابلغھون کے جنوب مشرق، بیش بالق زنگاریہ میں اور ورم توسی (URUMTUSI)، گے مشرق کی طرف حالیہ غوشین (GUCHEN) پر یا اسکے قریب واقع تھا) خان بالق سے ان مقامات تک جانے کیلئے مزروعہ زمینات میں سے تین ماہ کا سفر درکار تھا، خاقان جب اس طرف چلا گیا تو اکثر امیر اس سے منحرف ہوگئے۔ اور اس کو تخت سے معزول کرنا چاہا۔ اِس لئے کہ یہ فعل تاتار شاہی خاندان کے بانی چنگیز خاں کے نافذ کردہ قانون مندرجہ "یساق" کے خلاف سمجھا گیا، اس کے باغی رشتہ دار سے جا ملے۔ اور خاقان کو لکھ بھیجا کہ وہ تختِ چین سے دست بردار ہو جائے، اور صرف خنساہی کی ذیلی حکومت پر اکتفا کرے۔ اس نے انکار کیا تو جنگ کی گئی اور وہ شکست کھا کر مارا گیا،

خان بالق جانے کے تھوڑے ہی دِن بعد یہ خبر شائع ہوئی

شہر آراستہ کیا گیا۔ ایک مہینے تک کھیل تماشے اور دعوتیں ہوتی رہیں۔ ہر طرف باجے بجتے تھے۔ مقتول خاقان اور اس کے قریبی سو رشتہ داروں کی لاشیں لائی گئیں۔ ایک بڑا ناؤس یعنی زمین کے نیچے تہ خانہ تیار کیا گیا سونے چاندی اور دیگر قیمتی سامان و اسلحہ سے اسکو مہیا کر کے خاقان کی لاش کے ساتھ چار کنیزیں چھ سر برآوردہ مملوک قبر کے اندر بند کئے گئے۔ اُوپر سے اتنی مٹی ڈالی گئی کہ ایک بلند ٹیلہ بن گیا، پھر قبر پر چار گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ وہ تھک کر گر پڑے اس کے بعد لکڑی کا ایک ایک ڈنڈا ان گھوڑوں کی دم سے منہ تک داخل کر کے گھوڑوں کو لکڑیوں سے لٹکا دیا، اس کے مقتول رشتہ داروں کے ساتھ بھی اِس کے مماثل درجہ کی مناسبت سے برتاؤ کیا گیا، دفن کے روز شہر کے تمام لوگ بلا استثناء وہاں حاضر تھے۔ اور سب ماتمی لباس میں تھے

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ یہ رسوم کسی اور ملک میں رائج نہ تھے۔ اِلّا مغربی افریقہ کے سیاہ فام اقوام کے ملک کے

جب فیروز تخت پر بٹھایا گیا تو اس نے بجائے خان بالق کے قراقورم کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا، کیونکہ اس کے رشتہ دار بادشاہان ترکستان و ماوراء النہر وہاں سے قریب تھے بریں ہمہ وہ اُمراء جو مقتول خاندان کے قتل کے وقت موجود

نہ تھے، فیروز سے منحرف ہو گئے اور بغاوت عام ہونے لگی۔

ابن بطوطہ کا یہ بیان تاتار بادشاہوں اور سرداروں کے تجہیز و تدفین کی حد تک بالکل صحیح ہے لیکن خاقان چین کی تدفین کی نسبت بالکلیہ مشتبہ ہے، فیروز نام کا خاقان کا اگر کوئی بھتیجا بغاوت کرکے اُس کے تخت پر بیٹھ گیا تو ابن بطوطہ نے اصلی چینی یا تاتاری لفظ کے عوض حسب عادت مانوس اسلامی دنیا کا لفظ اس سے ملتا جلتا شاید استعمال کیا ہو۔ چین کی تاریخ میں تو فیروز نام کا کوئی بادشاہ نہیں گذرا، اگر چینی تحریرات صحیح ہیں تو ۱۳۱۷ء میں ٹوگون تیمور کی وفات کے بعد تاتاری قانون کا پایۂ تخت قراقورم میں منتقل ہوا جو ابن بطوطہ کے چین سے چلے جانے کے بعد کا زمانہ ہے، بہر حال سفر نامہ کا یہ جزو چنداں معتبر نہیں معلوم ہوتا۔

باب (۱۳)

جب شمالی چین میں فتنہ و فساد نے زور پکڑا تو شیخ برہان الدین
اور دیگر دوستوں نے ابن بطوطہ کو جنوبی حصہ میں چلے جانے
کا مشورہ دیا، سلطان فیروز کے پاس معروضہ کر کے اس
کے ساتھ جانے کے لئے تین عہدہ دار مقرر کرا دیئے اور
احکام جاری کرا دیئے کہ اس کو سرکاری مہمان تصور کیا جائے
پس وہ ندی کی راہ سے "خنسا" پہنچا پھر "قنجنفور" اور بالآخر
"زیتون" وہاں ہندوستان جانے والے جہاز تیار تھے، ایک
ملک الظاہر سلطان سوماٹرا کا جہاز تھا، جس کے ملازم مسلمان تھے،
سلطان کا نمائندہ اسکو دیکھ کر پہچانا اور خوشی سے اپنے ساتھ لے لیا، دس دن
ہوا موافق رہی لیکن طوالسی کی سرزمین کے قریب مخالف ہوا چلی اور جہاز کو
سمندر کے ایک غیر معلوم حصہ میں اڑا لے گئی، بیالیس روز یہی لاعلمی رہی
دوسرے دن سمندر میں ایک پہاڑ نظر آیا جسکا کوئی وہم و گمان نہ تھا، لوگوں
کو خوف ہوا، کہ اگر ہوا جہاز کو اسکی طرف لے چلی تو وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے گا
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی گئی، جب ہوا کی شدت کم ہوئی اور آفتاب
کی شعاعیں تیز ہوئیں، تو پہاڑ سمندر سے بلند ہوتا ہوا نظر آیا، اس سے
لوگوں کو دھوکا ہوا کہ رخ نام کا دیو ہیکل پرندہ شاید اڑ رہا ہو، پریشانی

اور بڑھ گئی لیکن جہاز کے چلنے کی سمت بدل گئی اور جس نامعلوم چیز کا ڈر تھا وہ آنکھوں سے غائب ہو گئی، (گب کا خیال ہے کہ شاید سراب تھا" یہ بھی ممکن ہے کہ افق کے نیچے سے کوئی دبیز ابر اٹھا ہو اور مسافروں کو پہلے پہاڑ پھر رخ کا دھوکا ہوا ہو)

دو مہینے بعد جہاز شہر سوماٹرا سے جا لگا، سلطان ملک الظاہر ایک مہم سے واپس آیا ہوا تھا، ابن بطوطہ کو مثل سابق اپنے پاس مہمان رکھا دو کنیزیں اور دو چھوکرے اسکی خدمت کو بھیجے سلطان کے لڑکے کی اسکی چچی زاد بہن سے شادی منائی گئی اور ابن بطوطہ اِس تقریب میں شریک رہا، دو مہینے کے قیام کے بعد وہ کولم" جانے والے جہاز پر سوار ہوا، سلطان سے رخصت ہوتے وقت اِسکو ایلوے کی لکڑی، کافور، لونگ، اور صندل کی لکڑی عطا ہوئی، چالیس دن کے سفر کے بعد کولم پہنچا، اور قاضی کے مکان کے قریب رمضان کے مہینے (جنوری سنہ ۱۳۴۷ء) میں اُتر پڑا عید کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھی پھر کولم سے چلکر کالیکٹ" گیا اور وہاں چند دن ٹھیرا رہا، چاہتا تھا کہ دھلی جائے، بعد غور مکرر ارادہ بدل دیا اور جہاز پر سوار ہو کر ۲۸ دن کے سفر کے بعد محرم ۷۴۸ھ مطابق آخر اپریل ۱۳۴۷ء میں ذفاری پہنچا یہاں سے مسقط پہنچا، جہاں قلب الماس نام کی مچھلی بہ کثرت ہوتی تھی پھر قریات، شبا، کلبر، اور قلہات (جن کا قبل ازیں ذکر آچکا ہے) ہوتا ہوا ھرمز میں داخل ہوا، متذکرہ بالا چار مقام ھرمز کے علاقہ میں شامل

تھے اگرچہ صوبۂ عمان میں شمار ہوتے تھے۔ ہرمز میں تین رات ٹھیر کر خشکی کی راہ سے خورستان، لار اور خنجو بال گیا، جنکا سابقہ ابواب میں بیان آچکا ہے، پھر کارزی" (KARZI) میں تین رات ٹھیر کر کئی گاؤں میں سے ہوتا ہوا شیراز آپہنچا، (کارزی، سکان، (MUND) دمینڈ) ندی کے سیدھے کنارے مشرقی موڑ سے کچھ اوپر کو واقع ہے)

شیراز" سے "اصفہان" گیا، پھر تستر" (شوستر) ہوتا ہوا "بصرہ" آیا۔ وہاں کے مقبروں کی زیارت کی، اس کے بعد مشہد علیؓ (نجف) اور حلہ سے گذر کر شوال ۷۴۸ھ (مطابق جنوری ۱۳۴۸ء) بغداد آیا۔ وہاں مراکش کے ایک شخص سے اطلاع ملی کہ اسپین کے عیسائیوں نے طریفہ پر مسلمانوں کو شکست دی، اور الخضرا (ALGECIRAS) فتح کر لیا، جسکا اسکو قلق رہا۔ (۱۳۴۰ء میں مراکش کا سلطان ابوالحسن فوج لیکر اسپین میں قسطبلیہ کے الفونسو یازدہم" سے لڑنے آیا مگر ۳۰ اکتوبر کو طریفہ کے پاس بری طرح شکست کھائی، "الفونسو" نے ۱۳۴۴ء میں الخضرا (الجیرانہ) فتح کر لیا، اور جبل الطارق (GIBRALTAR) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر ۱۳۵۰ء میں طاعون کا شکار ہوگیا)۔ اس زمانہ میں بغداد و عراق کا سلطان شیخ حسن مرحوم سلطان ابوسعید کا پھوپی زاد بھائی تھا، جب ابوسعید مر گیا، تو اس نے عراق پر قبضہ کر لیا، اور مرحوم کی بیوہ دلشاد سے عقد کیا۔ جو امیر چوپان کے بیٹے دمشق خواجہ کی لڑکی تھی، ٹھیک ایسا ہی جیسا کہ سلطان ابوسعید نے شیخ حسن کی بیوی سے عقد کیا تھا، سلطان حسن

اُسوقت لور کے حاکم سُلطان اتابک افراسیاب سے جنگ کرنے گیا ہوا تھا۔

بغداد سے ابن بطوطہ انبار پھر ہیت حدیثہ اور عنا گیا، (ہیت اور عنا دریائے فرات کے کنارے بغداد کے شمال مغرب میں اب بھی موجود ہیں، شہر حدیثہ پہلے عراق کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا، نہر عیسیٰ کے سرے پر (جو فرات کو دجلہ سے ملانے والی پہلی نہر جہاز رانی کے قابل ہے) عنا اور انبار سے ۳۵ میل نیچے کی طرف واقع ہے۔ ہیت کا علاقہ پہلے میوہ کی کاشت اور گنجان آبادی کے لئے بطور خاص مشہور تھا، اگرچہ چین کے بڑے دریا کے بازوؤں کی سی شاداب و قابل کاشت زمین کسی اور ملک میں تھی تو وہ یہیں کی زمین تھی، پھر رُحبا پہنچا جو شام کا سرحدی مقام تھا، (رحبا خابور ندی اور فرات کے سنگم سے ندی کے مغربی جانب ایک حلقی شکل کی نہر پر واقع ہے)، اس سے نکل کر السخنہ میں داخل ہوا۔ جس کے گرم پانی کے چشموں کی وجہ سے اُس کا یہ نام رکھا گیا۔ یہاں چشموں سے پانی کھینچ کر رات کے وقت چھتوں پر ٹھنڈا ہونے کے لئے جمع کیا جاتا تھا۔ پھر تدمور (قدیم پلمائراد PALMYRA) گیا، جسکے متعلق مشہور تھا کہ حضرت سلیمان عہ کے حکم سے جنات نے اسے بنایا تھا (السخنہ اسوقت وسط فرات اور پلمائرا کے راستہ میں آخر الذکر سے تقریباً ۳۵ میل جانب شمال مشرق ایک بڑی اہمیت کا حامل شہر ہے)

یہاں سے چل کر وہ دمشق پہنچا، بیس برس پہلے اس شہر سے رخصت ہوا تھا، اسوقت وہاں اس کی ایک بیوی حاملہ تھی۔ ہندوستان میں جب اس کو ایک لڑکے کے تولد ہونے کی اطلاع ملی تو لڑکے کے ماموں کو جو مراکش کے مقنسہ (MEQUINEZ) قبیلہ سے تھا، اس نے چالیس طلائی دینار ہندی لڑکے کیلئے بھجوائے تھے، جامع دمشق کے امام اور مالکی فرقہ کے شیخ نورالدین السخاوی، سے ملاقات ہوئی، تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا لڑکے کو مرکر ۱۲ برس ہو گئے، شیخ نے یہ بھی کہا کہ طنجہ کا ایک عالم ظاہر یہ تعلیم گاہ میں اسوقت آیا ہوا تھا، ابن بطوطہ نے اس سے ملکر اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کا حال پوچھا تو خبر ملی کہ باپ کو مرکر ۱۵ برس ہوئے، ماں ابھی زندہ تھی، ختم سال تک دمشق میں رہا، اگرچہ قحط سے شہر کا حال برا ہو رہا تھا، دمشق سے چلکر حمص حماہ، معرۃ النعمان اور سرمین کی راہ سے حلب گیا، وہاں معلوم ہوا کہ ایک درویش عین تاب کے باہر (حلب سے ۵۳ میل پر) صرف ایک مرید کے ساتھ ایک پہاڑ پر مجرد زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک وقت فخریہ کہا کہ آنحضرت صلعم تو بغیر عورت کے زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ خود عورتوں سے بے نیاز تھا، قاضی اور خلیفۂ وقت کے پاس اُسکی شکایت کی گئی، تو چاروں مذہب کے فقیہوں نے درویش اور اسکے مرید کے قتل کا فتویٰ دیا، اور اسکی تعمیل کی گئی،

اوائل ماہ جون میں خبر ملی کہ غازہ میں طاعون شروع ہو کر روزانہ

ایک ہزار آدمی مر رہے تھے۔ حمص پہنچا تو وہاں بھی طاعون تھا جس دن شہر میں داخل ہوا تین سو اموات واقع ہوئیں اسلئے دمشق واپس ہوا، وہاں کے باشندوں نے تین دن کا روزہ رکھ کر جامع نقش قدم میں نماز جمعہ پڑھی، فضلِ الٰہی سے طاعون کی شدت کم ہوگئی، اس سے قبل ایک مرتبہ روزانہ اموات کی تعداد ۲۴۰۰ تک پہنچ گئی تھی، یہاں سے ابن بطوطہ عجلون اور پھر یروشلم گیا، جہاں طاعون ختم ہو چکا تھا، پھر ہیرون (HEBRON) آیا اور اس کے بعد غازہ گیا، تو اس کو طاعون کی دستبرد سے ویران پایا، قاضی نے بیان کیا کہ اس شہر میں روزانہ (۱۱۰۰) اموات ہوتیں، بری راستہ سے دمیاط اور بعد کو اسکندریہ گیا، یہاں طاعون کی شدت گھٹ رہی تھی، اگرچہ ایک وقت (۱۰۸۰) تک روزانہ آدمی مر رہے تھے، جب قاہرہ آیا تو معلوم ہوا جس وقت طاعون زوروں پر تھا تو ایک دن ۲۱ ہزار تک آدمی مرے، [یہ یورپین مورخین کا سیاہ طاعون ہے جس سے اسلامی ممالک اتنا ہی تباہ و برباد ہوئے جتنا مغول غارتگروں صلیبی لڑاکوں اور تیمور لنگ کی لوٹ مار سے۔ ابن خلدون کا باپ بھی اس طاعون سے مرا۔ اس مرض کی ہولناکیوں کی تفصیل ابن خلدون کی تصنیفات میں درج ہے۔] قاہرہ سے سعید (بالائی مصر) ہوتا ہوا عیذاب گیا، اور جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچا، وہاں سے ۲۲ شعبان ۷۴۹ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۳۴۸ء کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا ۲۸ فروری تا ۲ مارچ ۱۳۴۹ء کے حج سے فارغ ہو کر شام کے قافلہ کا روانہ

کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا، پھر یروشلم اور غازہ ہوتا ہوا قاہرہ واپس ہوا یہاں معلوم ہوا کہ سلطان مغرب ابو عنان کی مساعی جمیلہ سے مرینی خاندان شاہی مراکش کی منتشر قوتیں پھر سے ایک مرکز پر جمع ہو گئیں اور اسکا فیض چاروں طرف پھیلنے لگا۔ یہ خوش خبری سن کر اس کے دل میں وطن واپس جانے کا جذبہ موجزن ہوا۔

ایک تونسی تاجر کے چھوٹے جہاز پر صفر ۷۵۰ھ (اپریل مئی سنہ ۱۳۴۹ء) میں قاہرہ سے جربا پہنچا۔ اس کے اترنے کے بعد جہاز جب تونس پہنچا۔ تو عیسائی قزاقوں نے (جنکی غارتگری اس زمانہ میں بعد کو آنے والے بربری قزاقوں سے بھی بڑھی ہوئی تھی) اس کو گرفتار کر لیا، جربا سے وہ ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر قابس (GABES) گیا اور وہاں ابوالمروان اور ابوالعباس دو جلیل القدر بھائیوں کا مہمان رہا جو مکی خاندان سے جربا اور قابس کے گورنر یا حاکم تھے، ان کے ساتھ میلاد النبی صلعم کے جلسہ میں بتاریخ ۱۲ ربیع الاول (۲۱ مئی سنہ ۱۳۴۹ء) شریک ہوا۔ بعدہٗ کشتی کی راہ سے صفاقس (SFOX) اور بلیانا تک چلا گیا (یہ مقام شاید نابیول' تونس' سے ۳۰ میل جنوب مشرق کو تھا، اور بحوالہ ادریسی یہاں ایک قلعہ تھا) پھر خشکی کی راہ سے عربوں کے ساتھ تکالیف اٹھاتا ہوا شہر تونس میں گیا، ۲۶ دن ٹھیر کر قطلانیوں (CATALANS) کے ایک جہاز پر سوار ہوا، جو جزیرہ سردانیہ کی نادر الوقوع گودی میں داخل ہوا۔ جسکے پیچھے گنجان جنگل کا حلقہ تھا، اور جسکے دروازہ میں سے اجازت ملتے ہی

پر داخلہ ممکن تھا، تا غالباً یہ کا نیاری (CAGLIARI) تھا، سردانیہ اندنوں اراگون (ARAGON) کے علاقہ میں تھا، اگرچہ ایک زمانہ میں سردانیہ کے جزیرہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ جزیرہ کے باشندے بحری قزاق تھے، اس لئے ڈر تھا کہ گودی سے باہر آنے پر جہاز کا تعاقب کر کے مسافروں کو لوٹ لیں گے، خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا، دس دن کے بحری سفر کے بعد شہر ٹیلیس (TENES) پھر مازونا، مستغانم، اور بالآخر تلمسان گئے۔ یہاں ابن بطوطہ العُبّاد کے گاؤں کو شیخ ابو مدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، (اس جگہ کی مسجد ۱۳۳۹ء میں بنائی گئی اور الجیریا میں مراکشی فن تعمیر کی بہترین مثال ہے)

پھر ندورنہ کے راستہ سے ہو کر اخندقان کی راہ لی اور شیخ ابراہیم کی خانقاہ میں رات بسر کی، وہاں سے جب وہ اور اس کے ساتھی چلے تو ازغنغان کے پاس (جو ایک بربر قبیلہ کے نام سے منسوب تھا) پچاس پیدل اور دو سو سواروں نے اُنپر حملہ کیا، لڑتے ہوئے "تازا" نئے شہر کو پہنچے جہاں ابن بطوطہ کو اس کی ماں کی وفات کی خبر ملی، بالآخر فاس (FEZ)، دارالحکومت مراکش میں جمعہ کا دن ختم شعبان ۷۵۰ھ (۱۳ نومبر ۱۳۴۹ء) کو قدم رکھا، یہاں بادشاہ وقت المتوکل ابو عنان کی مدح سرائی کرتا ہے۔ اور ملک کے امن اور ارزانی اشیاء خورد و نوش کا ذکر کرتے ہوئے وہیں سکونت اختیار کرنے کا قصد کرتا ہے۔

باب (۱۴)

سلطان ابو عنان کے دربار میں حاضری دے کر ابن بطوطہ اپنے وطنِ مالوف طنجہ کو گیا اور ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھا پھر سبتہ (CENTA) میں چند مہینے گزارے، یہاں تین ماہ تک بیمار رہا، جب چنگا ہوا تو سلطنت کی حفاظت کے لئے جہاد میں شریک ہوا، سبتہ سے اسیلہ (ARZILA) کی کشتی میں بیٹھ کر اندلوسیہ پہنچا، جو اسپین کے عیسائیوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا، لیکن مرفہ الحالی کا معدن تھا، جیسا کہ قبل ازیں ذکر آچکا ہے، اسوقت عیسائی ظالم ادفونس (ALPHONSO XI) جبل الطارق کے ناکامیاب دس ماہ کے محاصرہ کے بعد مر چکا تھا، وہ سب سے پہلے جبل الطارق کو گیا، اس کی مضبوط قلعہ بندیوں کا ذکر کرتا ہے جو مرحوم مراکش سلطان ابو الحسن اور اسکے بعد اسکے بیٹے حاکم وقت ابو عنان نے کفار سے بچانے کے لئے بنا کیں۔ ابن جزی (مصنف کتاب) جبل الطارق کو اسپین کے مسلمانوں کے لئے اسلام کا قلعہ کہتا ہے جسکو طارق ابن زیاد اور موسی بن نصیر نے ۷۱۱ء میں عیسائیوں کے ملک میں بلند کیا تھا، مرحوم سلطان ابو الحسن نے اسکو عیسائیوں کے بیس سال سے زائد قبضہ سے، اپنے لڑکے ابو مالک کو فوج اور روپیہ کے ساتھ بھیجکر چھ مہینہ کے محاصرہ کے بعد ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۳۳ء میں چھڑا دیا۔ ابو الحسن نے بہت بڑا قلعہ اور دار الصناعہ بنایا، اور اس کے گرد اونچی فصیل تیار کروائی، اس کے بعد سلطانِ وقت ابو عنان نے اس میں مزید

لیکن سلطان کی جلیل القدر رمان نے اس کیلئے کچھ دینار بھیجے، (سلطان ابو الحجاج یوسف اول اس وقت کا مصری سلطان غرناطہ تھا ۱۳۳۳ء تا ۱۳۵۴ء حکمراں رہا، اسکو کیا بیماری تھی کسی اور شخص نے بھی نہیں بتائی، ابن بطوطہ اگر اس سے ملنے الحمرا کے اندر جاتا تو اس مشہور عمارت کی ہندسی خصوصیات کے متعلق اسکی رائے قابل یادداشت ہوتی، غرناطہ میں اسنے وہاں کے سربرآوردہ اساتذہ اور صوفیوں کے شیخ سے ملاقات کی، شیخ نے اس کو اپنے ساتھ لیکر صوفیوں کی خانقاہ طلیعۃ العقاب بتائی۔ العقاب غرناطہ سے ۴ میل پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جہاں سے سارا شہر صاف نظر آتا ہے، البیرا (ALVIRA) جہاں مسلمانوں نے چند سال قبل ۱۳۱۹ء میں قسطلانیو کو شکست دی تھی، اور اب بھی کھنڈر کی حالت میں پڑا تھا، اسکے قریب واقع ہے، غرناطہ میں چند ایرانی درویش رہتے تھے، ایک سمرقند سے آیا تھا، ایک تبریز سے ایک خراسان سے دو ہندوستان سے وغیرہ وغیرہ۔

غرناطہ سے ابن بطوطہ الحما، بلش، مالقہ ہوتا ہوا قلعہ ذخوان پہنچا جسکا قلعہ بہت مضبوط تھا اور جہاں میوے کے درختوں اور پانی کی افراط تھی، پھر رونڈا سے جبل الطارق گیا اور اسی جہاز سے سبتہ واپس ہوا جسپر آیا تھا، بعد کو سیلہ میں چند روز ٹھیرا پھر رباط کے قریب سلا (SALLEE) پہنچا اور وہاں سے مراکش اس شہر کی مسجدوں خصوصاً مسجد کتبیون کا ذکر کرتا ہے جسکے نہایت اونچے مینار پر سے اسنے سارے شہر کا معائنہ کیا، شہر خود بغداد کی طرح اجڑ گیا تھا لیکن بغداد کے بازارات پھر بھی بارونق تھے، (شہر مراکش المرابط خاندان نے ۱۰۷۰ء میں بنیاد ڈالی۔ بحوالہ ادریسی وہ ایک میل لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا، شہر کی دیوار ابھی قائم ہے اور ۶ میل لمبی ہے جب مرینیوں نے اسکا محاصرہ کرکے اسکو فتح کیا اور ملک کا پایہ تخت فاس میں منتقل کیا تو مراکش اجڑ گیا، مسجد کتبیون کا مینار اب بھی موجود ہے اور مراکشی صنعت تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

اضافہ کیا۔

ابن بطوطہ جبل الطارق سے روندا (RONDA) کے مستحکم قلعہ بند اور خوشنما شہر کو گیا جسکا قاضی اسکا رشتہ کا بھائی فقیہ ابو القاسم محمد بن یحییٰ بن بطوطہ تھا، ۵ا دن بعد شہر مرنلا کو گیا، پھر مالقہ جانے کا قصد کیا، جو اندلوسیہ کے بہترین شہروں میں سے تھا، خوش قسمتی سے سہیل کے صوبہ میں چوروں سے بچکر نکلا، [سہیل کا ذکر ادریسی کے جغرافیہ میں نہیں ہے۔ لیکن مقری لکھتا ہے کہ مالقہ کے مغرب میں ایک صوبہ ہے جسمیں کئی گاؤں ہیں۔ اس میں ایک پہاڑ سہیل نامی ہے، اندلس بھر میں اس پہاڑ کے سوا اور کسی مقام سے سہیل کا روشن جنوبی ستارہ دکھائی نہیں دیتا] پھر مالقہ کی وسعت، خوبصورتی، اور ارزانی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکی مسجد بہت وسیع تھی اور متبرک مانی جاتی تھی، اس مسجد میں قاضیِ شہر علماء اور سربر آوردہ باشندوں نے عیسائیوں کے پنجہ میں گرفتار شدہ مسلمان مسافروں کی رہائی کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے،

مالقہ سے ۲۴ میل طے کرکے بلش (VELAZ) گیا جو میوہ کے درختوں اور شاندار مسجد سے ایسا ہی آراستہ تھا جیسا مالقہ۔ پھر الحماء (ALHAMA) گیا، اسکے گرم پانی کے چشموں اور حماموں کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے نکل کر غرناطہ پایۂ تخت "اندلوسیہ" "عروس البلدان" کی تعریف کرتا ہے۔ اسکے چالیس میل کے باغات جسمیں سے دریائے شنیل بہتا ہے۔ عین الدماع "آنسووں کا چشمہ"، لاثانی نخلستان اور باغات سے ڈھکے ہوئے پہاڑ کی مدح سرائی کرتا ہے۔ وہاں کا بادشاہ سلطان ابو حجاج اسوقت بیمار تھا اس لئے ابن بطوطہ اسکی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا

باب (۱۵)

[یادداشت:- ابن بطوطہ نے صحارا اور دریائے نائجر (NIGER) کے ممالک میں جو سفر کئے ہیں انکا حال سب سے پہلے ڈبلیو. بی کولی (COOLEY) نے ایک نامکمل عربی نسخہ کی بنا پر ۱۸۴۱ء میں لندن میں بعنوان "عربوں کی سر زمین سیاہ اقوام" شائع کیا، بعد کو ڈی سلینی (DESHANE) نے "ژورنال ایشیاٹیک (JOURNALASIATIQUE) کے مارچ ۱۸۴۳ء کے رسالہ میں پورے نسخہ کا شرح و تنقید کے ساتھ ترجمہ شائع کیا اس مواد کو ڈیلافوس (DELOFOSRE) نے (HANTSINEGETNIGER) پیرس ۱۹۱۲ء میں بڑی قابلیت کے ساتھ دنیائے علم کے سامنے دوبارہ پیش کیا۔ گب (GIBB) نے اپنے انگریزی نسخہ سفر ابن بطوطہ کے آخری باب میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے]

مراکش سے ابن بطوطہ سلطان ابو عنان کی ہمراہی میں فاس گیا اور سلطان سے اجازت لیکر افریقہ کے سیاہ اقوام کے ممالک کا سفر کیا سجلماسہ کے مشہور اور عالیشان شہر میں ابو محمد البشری کے ہاں مہمان رہا۔ اُسنے اسکی بڑی عزت کی یہ وہی عالم ہو جسکے بھائی سے ابن بطوطہ نے چین کے قنجنفو میں ملاقات کی تھی، اور اس کا پیام سجلماسہ پہنچانے کا وعدہ کیا تھا، اقالیم ایشیا و افریقہ کے مشرقی و مغربی کناروں کا بعد ان دو بھائیوں کی سکونت کے مقاموں میں ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے کو پیغام و سلام بھیجتے تھے، مقام حیرت ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان کیسے اولوالعزم تھے حالانکہ ان دنوں بحری سفر

چھوٹے بادبانی جہاز ہی میں ہوا کرتا تھا، کہا ہے بصرہ میں خرما بکثرت پیدا ہوتا تھا، لیکن خوبی میں سجلماسہ کا خرما اس سے بہتر تھا، علی الخصوص ایرار نامی جسکو وہ تمام میں لاثانی تصور کرتا ہے، [آٹھویں صدی عیسوی سے سولھویں تک کوہ اطلس ATLAS، کے جنوب میں سجلماسہ سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا اب اسکے کھنڈر وادی زیز (ZIZ) میں حالیہ تفیللت (TEFILELT) کے قریب پانچ میل تک پھیلے پڑے ہیں]

سجلماسہ سے اپنے اونٹ اور انکا چار مہینہ کا چارہ خرید کر غرہ محرم ۷۵۳ھ (۱۸ فروری ۱۳۵۲ء) کو ایک کاروان کے ساتھ ہولیا، جسمیں سجلماسہ کے بھی کئی تاجر شامل تھے، ۲۵ دن بعد کاروان تغازا (TAGHAZB) نام کے ایک عجیب وغیر مانوس قصبہ میں پہنچا، جسکے مکانات و مساجد کی دیواریں معدنی نمک کے کندوں کی تھیں اور چھتیں اونٹ کے چمڑوں کی۔ یہاں کوئی درخت نہ تھا، ہر طرف ریت ہی ریت تھی، اور ریت میں نمک کی کان جسمیں سے موٹی موٹی تختیاں نمک طعام کی کھود کر نکالی جاتی تھیں۔ انکی پرتیں ایک پر ایک اس طرح جمی ہوئی تھیں گویا کسی نے ہتیار سے تراش کر انکو مٹی کے اندر دفن کر دیا، [واضح ہو کہ نمک طعام کی قلموں کی شکل مکعب ہوتی ہے، اس لئے معدن سے مکعب کندے برآمد ہوتے ہیں.] [تغازا کے نمک کے معادن تاودینی (TAODINI) کے شمال مغرب میں واقع ہیں، اس نمک ہی کی وجہ سے یہ شہر سیاہ اقوام کی سلطنتوں کا اہم سرحدی مقام تھا، ایک اونٹ پر ایسی دو ہی تختیاں لادی جاسکتی تھیں، تغازا میں بربر قوم مسوفہ کے غلاموں کے سوا کوئی اور لوگ نہیں رہتے تھے، انکا کام نمک کھود کر نکالنا تھا۔ غذا

درعہ اور سجلماسہ کی کھجوریں، اونٹ کے گوشت اور سیاہ اقوام کے ملکوں سے لائے ہوئے اناج پر مشتمل تھی، (وادیٔ درعہ اینٹی اٹلس (ضد کوہ اطلس) کے جنوبی حصہ کا بارش کا پانی بہالے جاتی تھی) سنہاجہ قوم کو اسوقت متوفہ کہتے تھے، یہ اور لمتونہ زمانۂ قبل تاریخ سے مغربی صحارا میں آباد تھے، ابن بطوطہ کے بیاں سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفہ کی بربر قوم تمام وسطی صحارا میں تغازا سے "تمبکتو" تک اور مشرق کی جانب ایر اور "ہوجار" تک آباد تھی، افریقہ کے کالے آدمی یہاں نمک خریدنے آتے تھے [ایوالاتن میں ایک اونٹ پر لدے ہوئے نمک کی قیمت ۸ تا ۱۰ مثقال زر تھی اور مالی کے شہر میں ۲۰ تا ۳۰ مثقال اور کبھی کبھی ۴۰ مثقال بھی ہو جاتی تھی، کالے آدمی نمک ہی کے ٹکڑوں کو بطور سکہ خرید و فروخت کے کاموں میں استعمال کرتے تھے معاملت کی مقدار سفوف زر کی رقموں میں ہزاروں سیر متصور ہوتی تھی،

یہاں کا پانی کھاری تھا، مکھیاں بہت ستاتی تھیں اسلئے کارواں کو دس دن تکلیف اٹھانی پڑی، صحرا سے گذرنے کیلئے تغازی ہی میں پانی بھر لینا پڑتا تھا، دس راتوں کا سفر تھا، خوش قسمتی سے بارش برس جانے سے گڑھوں میں پانی جمع ہوگیا تھا، اس سے کام لیا گیا، ایک دن چٹانوں کے بیچ کا پانی ملا جو میٹھا تھا، مسافروں نے اس سے اپنی پیاس بجھائی اور کپڑے دھوئے زیرزمیں اُگنے والی قدرنی بہت تھی، مگر جوئیں بھی بکثرت تھیں اکثر لوگ پارے کے ہار بناکر گلے میں ڈال لیتے تھے، جس سے جوئیں مرجاتی تھیں، کارواں کو چھوڑ کر چلنے میں بڑا خطرہ تھا، کئی آدمی اس طرح راستہ بھٹک کر پیاس سے مرجاتے تھے، کارواں اسکے بعد تاسرحلہ "TASARSHLA" پہنچا جہاں زیرزمیں پانی کے

طبقات تھے [یہ غالباً مشہور عرب جغرافیہ نویس ادریسی کا تیسرہ کا کنواں تھا] جہاں عموماً تین دن قیام ہوتا تھا، لوگ پانی کی داغ دوزی کر لیتے تھے، اور ہوا سے بچانے کیلئے اپر تھیلیوں کا کپڑا سیلتے تھے، اس مقام سے تکشیف بھیجا جاتا تھا، اصطلاح میں تکشیف سے مراد مسوفہ قوم کا کوئی شخص ہوتا تھا جسکو کاروانی نوکر رکھ کر اپنے دوستوں کے پاس قبل از قبل خطوط کیساتھ ابوالاتن (IWALATAN) روانہ کرتے تھے تاکہ ان کے آنے پر انکے رہنے لینے کا انتظام کیا جائے، پھر چار شب کی راہ پر تکشیف کاروانیوں سے ملنے آتے، اور اپنے ساتھ پانی بھی لاتے، اگر کسی کا وہاں دوست نہ ہوتا تو بھی تکشیف کسی مشہور تاجر کے پاس خط لیجاتے اور تاجر بھی انتظام کرتا اکثر اوقات تکشیف راستہ میں مر جاتا، اور ابوالاتن کے لوگ کارواں کی آمد سے ناواقف رہتے، ایسی صورت میں سارا کارواں یا اسکا بیشتر حصہ تلف ہو جاتا، مشہور تھا کہ صحرا میں شیاطین تنہا جانے والے تکشیف کو بہکاتے اور راستہ سے بھٹکا دیتے، ریگِ رواں میں راستہ کا پتہ چلانا مشکل تھا، جہاں تھوڑی دیر پہلے گڑھا تھا وہاں ٹیلہ بن جاتا تھا، اور ٹیلہ کی جگہ گڑھا، ایسی حالت میں صحیح راستہ ملنا از حد مشکل تھا، ابن بطوطہ کا تکشیف ایک آنکھ کا اندھا تھا، اسکی دوسری آنکھ میں خلل تھا، ان اسقام کے باوجود اس سے بہتر کوئی راستہ پہچاننے والا نہ تھا، اسکو ایکسو مثقال زر دیکر ملازم بنایا گیا، تاسر جلنے چلنے کے ساتویں دن شب کے وقت کاروانیوں کو ابوالاتن لیجانے والی جماعت کے خیمے اور انکی روشن کی ہوئی آگ نظر آئی تو ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔

اس طرح دو مہینے کے بعد کارواں ابوالاتن پہنچا۔ [یہ لفظ بربر زبان میں

میں جمع کا صیغہ ہے جسکا واحد ولاتہ ہے۔ اس کا عرض بلد ۲۰ء۱۷ شمال اور ۴۴ء۹ مغرب بنے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ مقام غانہ کے عوض صحرا سے پار گذرنے کی تجارتی راہ کا جنوبی سرا تھا۔ یہ شہر سیاہ اقوام کے ملک کی شمالی سرحد میں واقع تھا۔ انکے سلطان کا نائب فربا حسین نامی ایک شخص تھا (فربا کے معنی نائب ہیں)

کارواں جب شہر میں داخل ہوا تو کاروانیوں نے اپنا سامان ایک کھلے میدان میں پھیلا دیا، اور سیاہ فام قوم نے ان سب اشیاء کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ کاروانی فربا کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ شخص سفید فام اقوام کے ساتھ بہت رعونت سے پیش آتا تھا۔ ان سے راست گفتگو کرنا اپنے لئے کسر شان سمجھ کر مترجم کے توسط سے گفتگو کی، ابن بطوطہ کو یہ حرکت بہت بری معلوم ہوئی اور پچھتایا کہ کیوں ایسی قوم کے ملک کا سفر اختیار کیا۔

وہاں سے اسنے شہر سلا (SALLEE) رباط، کے ایک معتبر آدمی ابن بدا سے ملنے گیا، جسکو اسنے ایک مکان کرایہ پر لینے کے لئے لکھا تھا، معلوم ہوا کہ مکان اسکے لئے کرایہ پر لے لیا گیا۔ بعد کو ابوالاتن کے مشرف (یعنی ترجمان) مسمی "منشاجو" نے تمام اہل کارواں کو کھانے کی دعوت دی، ابن بطوطہ نے پہلے تو جانے سے انکار کیا۔ پھر چلا گیا، سوکھے نصف گندم میں کوٹا ہوا باجرا تھوڑے سے شہد اور دودھ میں ملاکر مہمانوں کو کھلایا گیا، کاروانیوں نے اسکو کھالیا اور پانی پی کر رخصت ہوئے ابن بطوطہ نے چند ایک سے پوچھا کہ کیا کالے آدمیوں نے اسی دعوت کے لئے بلایا تھا تو جواب ملا کہ ہاں انکے پاس یہی دعوت بڑی مہمان نوازی سمجھی جاتی تھی۔ ابن بطوطہ یہ سنکر فوراً وہاں سے عازم حج کے ساتھ مراکش واپس

جانے لگا لیکن ملک بینی کے شوق نے اسکو اس قوم کے بادشاہ کے دار السلطنت "مآلی" تک جانے پر مجبور کیا۔

ایوالاتن میں اس کا قیام پچاس دن رہا۔ باشندگان شہر نے اسکا بڑا احترام کیا اور دعوتیں دیں، گرمی شدت کی تھی، چند ایک کھجور کے چھوٹے درخت تھے جن کے سایہ میں تربزہ بویا جاتا تھا پانی طبقات زیر زمیں سے حاصل کیا جاتا تھا بکرے کا گوشت بہت ملتا تھا، یہاں کے باشندے زیادہ تر بربر قبیلہ مسوفہ سے تھے ان کے لباس مصر کے نفیس کپڑے سے بنے تھے، انکی عورتوں کا حسن حیرت انگیز تھا، اور ان کی بہ نسبت مردوں کے زیادہ عزت کیجاتی تھی، لیکن رسم و رواج عجیب تھے، لوگ اپنا تعارف کراتے کہ فلاں کے بھانجے ہیں فلاں کے بیٹے ہیں۔ ایسا ہی جیسا کہ ملیبار میں طریقہ تھا، وہ تو کافر تھے یہ لوگ مسلمان پابند صوم و صلوٰۃ تھے، فقہ سے واقف اور حافظ قرآن۔ عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں، مردوں کے ساتھ بے تکلف پھرا کرتی تھیں، لیکن نماز کی سخت پابند تھیں، جو شخص چاہے انسے عقد کر سکتا تھا، مگر وہ شوہر کیساتھ ملک سے باہر نہیں جا سکتی تھیں، اگر کوئی جانا بھی چاہتی تو اس کے رشتہ دار اسکو جانے نہیں دیتے تھے،

ان عورتوں کے خاندان سے باہر والے ذکور میں سے چند ایک "دوست یا رفیق" بھی ہوا کرتے تھے، اسی طرح مردوں کے بھی زمرۂ اناث میں سے "دوست" تھے کوئی شخص اگر اپنے گھر آکر اپنی بیوی کو اسکے ایسے "دوست" کی ضیافت کرتی ہوئی دیکھتا تو معترض نہوتا۔ ایک دن ابن بطوطہ نے

قاضی شہر کے مکان میں باجازت داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک جوان غیر معمولی حسین عورت کیساتھ بیٹھا تھا، شرم کے مارے واپس چلا جانا چاہا تو عورت ہنسنے لگی۔ اور قاضی نے کہا کیوں جاتے ہو یہ میری "دوست" ہے، قاضی فقیہ اور حاجی تھا، اسنے سلطان سے اجازت لے رکھی تھی کہ اس سال حج کو اپنے ساتھ ایک دوست یا رفیق کو لے جائے یہ نہ معلوم ہوا کہ آیا وہ وہی عورت تھی جس کو اس نے دیکھا تھا، یا کوئی اور۔

ابن بطوطہ نے "مالی" جانے کے ارادہ سے (جسکے لئے اگر جلد سفر کیا جائے تو چوبیس دن کافی تھے) قبیلۂ مسوفہ کا ایک راہ نما نوکر رکھا، اہل کارواں سے تین اور اشخاص اس کے ساتھ ہو لئے، راستہ محفوظ ہونے کی وجہ سے کارواں ہی کے ساتھ چلنا ضروری نہ تھا، راستہ میں اسکو "بے اوباب" (BAOBAB) کے درخت نظر آئے، ان کے نہ پتے تھے نہ ڈالیاں لیکن تنے اتنے بڑے اور موٹے تھے کہ ایک بڑا کارواں انکے سایہ میں ٹھیر سکتا تھا، بعض تنوں کا اندرونی حصہ سڑ کر سوکھ جاتا تو بارش کا پانی اس میں جمع ہوتا تو لوگ اسکو بطور مخزن آب استعمال کرتے، اور اسکا پانی پیتے تھے، چند تنوں کے اندر شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر رہتی تھیں ایک تنہ کے اندر ابن بطوطہ نے ایک جلاہے کو مع ساز و سامان بیٹھ کر کپڑا بنتے دیکھا (اس درخت کا نباتیاتی نام ADANSONIA DIGITATE) ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل یورپ شاید پرتگالیوں نے ۱۵۹۲ء میں اس درخت کو افریقہ سے باہر کی دنیا سے روشناس کرایا، انگریزی بول چال کی زبان میں اسکو بندر کی روٹی کا درخت کہتے ہیں، ان مقامات میں جہاں

پانی کی قلت تھی بعد کو عمداً اس درخت کو اندر سے کھو کھلا بنایا جاتا تھا کہ بارش کا پانی اس میں جمع ہو جائے اس مقصد سے یہ جھاڑ اٹھارویں صدی میں مغربی افریقیہ سے مشرقی سوڈان (خردفان) میں بوئے گئے۔

اس ملک میں سفر کرنے والے اپنے ساتھ کسی قسم کا توشہ از قسم اشیاء خوردنوش یا سونا چاندی نہیں رکھتے تھے صرف نمک کے ٹکڑے شیشہ کے منکے اور خوشبو کی چیزیں ساتھ رکھ لئے جاتے، جب کسی گاؤں میں گذر ہوتا تو وہاں کی سیاہ فام عورتیں باجرا یا جوار، مرغ کے چوزے، کنول کا میوہ، چاول فونی (جو سرسوں کے بیج سے مشابہ ایک اناج ہوتا ہے جس سے کسکسو اور دلیا بنایا جاتا ہے)، اور کوٹی ہوئی پھلی گھروں سے لے آتیں، اور ان میں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لوگ خرید لیتے، انکے ہاں کا چاول سفید فام اقوام کیلئے مضر تھا، متلی پیدا کرتا تھا، البتہ فونی اچھی چیز تھی، (کسکسو شمال مغربی اور افریقیہ کی عام غذا ہے، فرانسیسی بھی اسکو استعمال کرتے ہیں۔)

ابوالاتن سے نکل کر دس دن بعد ابن بطوطہ زاغری نامی ایک بڑے قصبہ میں داخل ہوا "ونجراتا" نام کے سیاہ فام تاجر آباد تھے، وہاں چند سفید فام خاندان بھی عبادی فرقہ کے رہتے تھے، "عبادی" خوارج کی ایک شاخ ہے جو اسوقت عمان، زنجبار اور جنوبی الجیریا کے علاقہ "مازب" میں آباد ہے ممکن ہے کہ جن عبادیوں کا ابن بطوطہ نے ذکر کیا ہے وہ مازب کے تجار سے ہوں، اس قصبہ سے اناج ابوالاتن کو جاتا تھا، ابن بطوطہ یہاں سے چل کر دریائے نائجر کے کنارے پہنچا، اس بڑی ندی کو جس پر کابرہ "سنخو" واقع اور جو آگے چلکر

"کاہرا" اور "زاغہ" کے بازو سے بہتی ہے وہ غلطی سے دریائے نیل تصور کرتا ہی (دریائے نائجر حال علاقہ فرنچ گینی (GUINEA) سے نکلتا ہی اور خلیج گینی میں گرتا ہی، "کارسخو" کے متعلق "ڈیلافوس" کی رائے ہی کہ وہ کراسقو یعنی کرا کا بازار ہے، حالیہ "کونگوکورو" سے متصل اور محاذی کرا سے کچھ فاصلہ شمال کی جانب ہ "کابرا" کی نسبت اُسکا خیال ہے کہ وہ حالیہ مشہور بندرگاہ کابرا قریب شہر "تمبکتو" نہیں ہی بلکہ "جعفرآبا" ہے، "زاغہ یا زاغائے" قدیم سلطنت "تکرور" کے پایہ تخت "جاغہ" کے نام سے مربوط ہے، شمال مغربی افریقہ میں جعفرآبا سے نصف یوم کی راہ اور دریائے نائجر کی شمال مغربی شاخ پر ایک وسیع رقبہ ہے، "سوڈان" میں تکرور ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں گیارھویں صدی عیسوی میں دین اسلام کی اشاعت ہوئی،) کابرا اور زاغہ کے سلطان علیحدہ علیحدہ تھے، دونوں بادشاہ مالی کو اپنا صدر مانتے تھے، زاغہ کے باشندے اس خطہ میں سب سے قدیم مسلمان ہیں، پابند صوم و صلوٰۃ اور علم کے شائق- یہاں سے دریائے نائجر تمبکتو اور پھر "گاؤ گاؤ" کو جاتا ہے- اسکے بعد شہر مولی کے پاس سے بہتا ہے، جو "لیمی" قوم کے ملک میں واقع ہے اور یہ سلطنت مالی کا سرحدی صوبہ ہے- دریا "پھر یوفی" کے بازو سے گزرتا ہے، جو کالے آدمیوں کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے- سفید فام آدمی کی وہاں رسائی نہیں ہو سکتی، راستہ ہی میں وہ قتل کر دیا جاتا ہے، اس بیان کے بعد ابن بطوطہ اسوقت کے تمام خیال کے بموجب دریائے نائجر کو دریائے نیل تصور کر کے کہتا ہی کہ دریا "نوبا"

کی سرزمین (NUBIA) میں سے گزرتا ہے جس کے باشندے عیسائی ہیں پھر دنقولا میں سے بہتا ہے جو اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر ہے، یہاں سلطان وقت ابن کنز الدین تھا جو مصر کے سلطان الملک الناصر کے عہد میں مشرف باسلام ہوا، نیل اور نائجر میں دھوکا کھا کر کہتا ہے کہ بالآخر دریائے نیل کے آبشاروں (جنادل) پر سے بہتا ہے، اور یہ کالے لوگوں کے ملک کا آخری مقام ہے۔ کیونکہ یہاں سے اسوان بالائی مصر کا علاقہ شروع ہوتا ہے، (فی الحقیقت دریائے نائجر مشرق کی جانب کچھ فاصلے طے کر کے بالآخر مغربی افریقہ کے جنوبی ساحل پر خلیج گینی میں گرتا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے، ابن بطوطہ اور لیو (LEO) افریقی نے نائجر کو سفید نیل کی شاخ بحر الغزال سے مخلوط کیا ہے، ادریسی اور نیز یورپی جغرافیہ نویسوں نے نائجر کو دریائے سینیگل (SENEGAL) سے ملا دیا جو بحر ظلمات میں گرتا ہے۔)

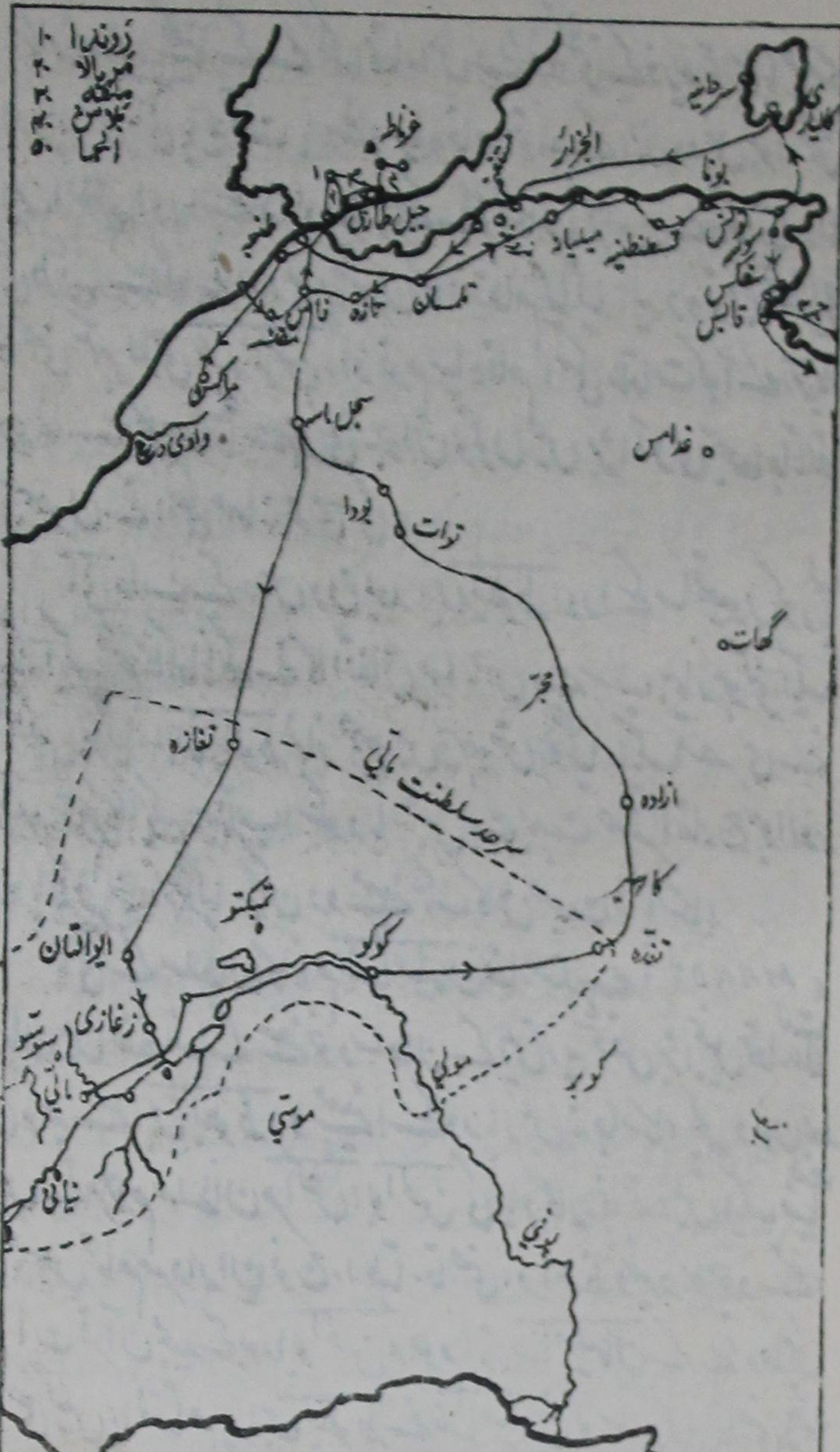
دریائے نائجر کے کنارے پر ایک حصہ میں اسنے ایک مگرمچھ دیکھا جو چھوٹی کشتی کے برابر لمبا اور شکل میں اسکے مشابہ تھا، آدمیوں کو بھی یہ موذی پکڑ کر کھا جاتے تھے (ظن غالب ہے کہ مولی وہی شہر ہے جو بعد کو موری کہلانے لگا۔ دریائے نائجر کے بائیں کنارے پر "نامے" کے قریب مقابل کے کنارے پر تمبوری ہے، شاید اسی کو ابن بطوطہ قنبری کہتا ہے، لیمی قوم کی نسبت ڈیلا فوس اور مرکوارٹ (MARQUART) کا قیاس ہے کہ وہ خطہ گینیا کے باشندے تھے مگر کوئی کی یہ رائے کہ وہ دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں کے

بیان کے بموجب "نم نم" قوم سے تھے زیادہ صاف معلوم ہوتی ہے، البکری
انکو دم دم کہتا ہے، اور انکا مقام دریائے نائجر پر گاؤ گاؤ کے نیچے بتاتا ہے۔
دم دم کے معنی یقیناً "آدم خوار" کے ہیں، فلبے (FULBE) زبان میں یہ لفظ
نیام نیام ہو گیا، نیام نیام کے معنے کھانے کے ہیں جو بعد کو عربی میں نم نم اور
یم یم کہا جانے لگا، قبل ازیں ابن بطوطہ نے مشرقی افریقہ کے سفر میں
کہدیا ہے کہ سونے مٹی یا خاک "سوفالہ" کو یوفی سے لائی جاتی تھی جو "لیمی"
قوم کے ملک میں واقع تھا، کولی کی اس رائے سے کہ یوفی "نیوپے"
(NUPE) کا بدلا ہوا نام ہے، لوگ متفق ہیں۔ اس محل کا وقوع نائجر
پر مابین لوکوجا (LOKOJA) اور جبا ہے،]

[مصر کے سلطانوں نے نیوبیا کی عیسائی ریاست پر کئی مرتبہ ۱۲۷۱ء
اور ۱۳۲۳ء کے مابین چڑھائی کی جس کی وجہ سے اس ریاست میں
انتشار پیدا ہو گیا، چودھویں صدی کے ابتدا میں ڈونگولا عربوں کے
ایک قبیلہ کنز یا کنز الدولہ سابقہ خاندان امرا اسوان کے قبضہ
میں آگیا، اس قبیلہ کے سردار کو ابن بطوطہ کنز الدین کہتا ہے ہرکوارٹ اسکو
پہلا مسلمان بادشاہ نیوبیا تسلیم کرتا ہے۔]

اسکے بعد ابن بطوطہ کرسنجو سے روانہ ہوا اور سنسرا (SANSARA)
کی ندی پر پہنچا جو شہر مالی سے دس میل دور ہے سوائے ان لوگوں کے
جنکو اجازت ملی ہو کوئی دوسرا شخص شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا
چونکہ ابن بطوطہ نے [illegible] ہی سے یہاں کے سفید فام لوگوں کو اپنے لئے

مغربی افریقہ میں ابن بطوطہ کا سفر



مکان بے رکھنے کے لئے لکھا تھا، اس لئے وہ کشتی کے ذریعہ ندی پار ہو سکا، اور پھر شہر مالی پایۂ تخت بادشاہ سیاہ فام اقوام کے اندر داخل ہوا۔ محمد ابن الفقیہ اور اسکے داماد نے اسکے لئے مکان کرایہ پر لے رکھا تھا، داماد کی طرف سے کھانے اور موم بتیوں کا انتظام کیا گیا، یہ دونوں شخص اور قاضی شہر حاجی عبدالرحمن (از قوم سیاہ فام) اسکی ملاقات کو آئے، ترجمان دوغا سے بھی ملاقات ہوئی۔ جوان لوگوں میں بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا سبھوں نے اسکی مہمانداری کی،،

مالی جانے کے دس دن بعد ابن بطوطہ اور اسکے ساتھیوں کو وہاں کے ایک قسم کا کھانا کھانے کا اتفاق ہوا جس سے سب بیمار ہو گئے۔ ایک شخص مر گیا۔ ابن بطوطہ نماز صبح میں بیہوش ہو گیا، ایک مصری نے بیدر نام کا ایک جلاب اسکو دیا۔ جس سے بہت صفرا خارج ہوا اور وہ بالآخر اچھا ہو گیا۔ لیکن دو مہینے تک کامل صحت نہ پا سکا،

مالی کے سلطان کا نام منسا سلیمان تھا، مندیے (MANDÉ) زبان میں لفظ منسا کے معنے خود سلطان کے ہیں، یہ شخص بڑا بخیل تھا۔ علالت کی وجہ سے ابن بطوطہ دو مہینے اسکے دربار میں نہ جا سکا، کچھ دنوں بعد اس نے مرحوم سلطان مراکش ابوالحسن کی یادگار (فاتحہ) میں ایک ضیافت کی جسمیں تمام سرداران فوج، اطبا، قاضی، واعظ وغیرہ موجود تھے، قرأت قرآن مجید کے بعد ابوالحسن مرحوم اور منسا سلیمان کے لئے دعائیں پڑھی گئیں، اختتام پر ابن بطوطہ نے منسا سلیمان کو سلام کیا۔ قاضی وغیرہ

نے اس کا تعارف کرایا۔ لیکن بادشاہ نے اسکو وہاں کچھ تحفہ وغیرہ نہیں دیا
گھر جانے پر بادشاہ کی طرف سے خوانِ نعمت وصول ہوا جسکے لینے کے
لئے اسکو کھڑا ہونا پڑا۔ دیکھا تو صرف تین روٹیاں، گائے کا گوشت
زیتون کے تیل میں تلا ہوا اور کھٹے دہی کا ایک نصف کدو تھا، اِس
بخل کو دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا، ہنس پڑا،

اِس کے بعد اس کو کوئی اور تحفہ عطا نہ ہوا۔ دو مہینے بعد رمضان
شروع ہو گیا، ترجمان کے ذریعہ اسے بادشاہ کو مطلع کیا کہ اپنے وطن
کو واپس جا کر "مالی" کے سلطان کی فیاضی کا کیا حال بیان کیا جاسکیگا تو حکم ہوا
کہ اسکے لئے ایک علیحدہ مکان مقرر ہو اور اخراجات خورد و نوش کا انتظام
کیا جائے شب قدر کو زکوٰۃ کی تقسیم کے موقع پر قاضی اور واعظ نیز دیگر
علماء کے ساتھ اسکو ۱۳۳ مثقال زر عطا ہوئے۔ "مالی" سے رخصت ہوتے
وقت مزید ایک سو مثقال دیئے گئے

کہا ہے کہ سلطان کا دربار محل کے صحن میں ایک درخت کے نیچے
ہوا کرتا تھا۔ تین زینے کے ایک تخت پر جو "پمپی" (PEMPEY) کہلاتا تھا
ریشمی کپڑا بچھایا جاتا تھا۔ اس پر تکیوں سے لگ کر سلطان بیٹھ جاتا، اسکے
سر پر ایک ریشمی چتر ہوتا تھا جس کے اوپر ایک سونے کا باز بنا تھا، سلطان
محل کے ایک کونے سے نکلتے وقت اسکے ہاتھ میں کمان اور پیٹھ پر ترکش ہوتا
تھا، سر پر زرین ٹوپی سنہری ڈوری سے بٹی ہوئی ڈوری کے سروں پر
ایک بالشت سے زائد لمبے پھندے لٹکتے تھے اسکا لباس عام طور پر لال مخمل کا

کوٹ متنفس (MUTANFAS) نام کے یورپی کپڑے کا ہوتا تھا، دربار کے رسوم بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے جیسے تخت پر چڑھتے وقت موسیقی باجوں کی سلامی، غلاموں کی دوڑ کر سرداران فوج اور دیگر عمایدکی طلبی، دو زین ولگام سے آراستہ گھوڑوں اور دو بکروں کی (نظر بد سے بچانے کی غرض سے) فراہمی وغیرہ۔ ہم قارئین کو ان تفصیلات کی زحمت دینا نہیں چاہتے۔

سیاہ فام قومیں اپنے بادشاہ کی انتہا درجہ اطاعت کرتے ہیں۔ قسم کھاتے ہیں تو بادشاہ کی، اگر دربار شاہی میں کسی کی طلبی ہو تو میلے اور بوسیدہ کپڑے پہن کر حاضر ہوتا، بڑے ہی عجز و انکسار کے ساتھ سامنے آتا، کہنیوں کو زمین سے مار کر سر جھکائے کھڑا ہوتا، بادشاہ کے ہر ارشاد پر کمانیں (بلا تیر کے) زہ کی جاتیں، اگر کسی کی خدمت گزاری پسندی جاتی تو وہ شخص اپنے سر اور پیٹھ پر مٹی ڈال لیتا۔ اخلاق حمیدہ اور وفا شعاری سے ان اقوام کا مفہوم کامل فروتنی اور خاکساری تھی۔ ابن جزی یہاں اپنی طرف سے بیان کرتا ہے کہ جب حاجی موسیٰ الونجراتی سلطان مراکش ابوالحسن مرحوم کے دربار میں منسا سلیمان کے سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوا تو اسکے ایک ملازم کے ساتھ مٹی سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا تھا، جب کبھی ابوالحسن اس سے کوئی اچھی بات کہتا تو سفیر فوراً ٹوکری میں سے مٹی لیکر اپنے سر پر ڈال لیتا تھا۔

ابن بطوطہ عید الفطر اور عیدالضحیٰ کے زمانہ میں مالی ہی میں تھا۔ وہاں کے عید کے درباری رسم و رواج بھی تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ [سیاہ اقوام

میں جو کچھ بھی تہذیب اور تمدن رواج پایا وہ اسلام ہی کا عطیہ ہے۔ اسکے
باوجود زمانہ جاہلیت کی بعض رسمیں اور عادتیں انمیں باقی رہ گئیں ہوں
تو تعجب کی کونسی بات، نا کہتا ہی کہ رعایا منسا سلیمان کو اسکے بخل کی وجہ سے
پسند نہیں کرتی تھی۔ اس سے پہلے منسا مغا سلطان تھا جو منسا موسیٰ کا
جانشین ہوا۔ آخر الذکر بڑا فیاض اور صالح حکمراں تھا، سفید فام اقوام سے
اسکو بڑی اُنسیت تھی۔ اسنے ابو اسحاق الساحلی کو ایک دن چار ہزار مثقال
زر دئیے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ایک دن اُس نے مدرک ابن فقوس
کو تین ہزار مثقال عطا کئے جس کے دادا نے بادشاہ کے دادا صارق جاتا کو
مسلمان بنایا تھا۔

ان اقوام میں بعض غیر معمولی خوبیاں بھی ہیں، وہ ظلم و ستم کے کبھی روادار
نہیں ہوئے عدل و انصاف کی وجہ سے چوری نام کو نہیں ہوتی، سفید فام
کوئی آدمی ان کے ملک میں مرجائے تو اسکی جو بھی دولت ہو کسی حالت
میں بھی غصب نہیں کی جاتی۔ صوم و صلوٰۃ کے بڑے پابند ہوتے ہیں،
ان کے بچے بھی مسجد میں نماز جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنا بوریئے کا
مصلیٰ ساتھ لانا اور اسی پر نماز پڑھنا، اس دن نہا دھوکر صاف ستھرے کپڑے
پہنتے ہیں اکثر لوگوں کو تلاوت و حفظ قرآن کا شوق ہے، ان کے عیوب
میں چند بہت قبیح ہیں انکی خدمت کرنے والی عورتیں کنیزیں اور جوان لڑکیاں
مادر زاد ننگی پھرا کرتی تھیں، بادشاہ کے سامنے عورتیں بے پردہ حاضر ہوتی
تھیں اور لڑکیاں ننگی پیش ہوتیں۔ مردہ جانوروں کا گوشت گدھے اور

اور کتے کا بھی کھانے کے عادی تھے،

ابن بطوطہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۷۵۳ھ (۲۸ جون ۱۳۵۲ء) کو مالی آیا اور ۲۲ محرم ۷۵۴ھ (۲۷ فروری ۱۳۵۳ء) کو وہاں سے ابوبکر ابن یعقوب نامی ایک سوداگر کے ساتھ روانہ ہوا۔ گھوڑے کی قیمت سو مثقال تھی اس لیئے اسنے اپنی سواری کے لئے اونٹ خرید لیا، چاندنی رات میں دریائے نائجر کی ایک نہر کو تین چار گھنٹہ بعدِ مغرب کشتیوں میں عبور کیا، دن کو مچھر بہت ستاتے تھے اِس لیے رات ہی میں سفر کیا جاتا تھا، یہاں اسنے سولہ دریائی گھوڑے (فرس البحر HIPPOPOTAMUS) دیکھے جو پانی میں اُتر پڑے یہاں انکی کثرت تھی، دریائے نیل میں بھی یہ جانور موجود ہیں لوگ برچھیوں کو رسی باندھ کر اُن پر پھینکتے پاؤں یا گردن میں برچھی جبھ جاتی تو اُسی رسی کے ذریعہ انکو خشکی پر کھینچ لئے جاتے، یہاں کے باشندے انکا گوشت کھاتے تھے۔

مسافر قریب کے ایک بڑے گاؤں میں ٹھہرگے جس کے نیک مزاج سیاہ فام حاکم کا نام حاجی فربا مغا تھا، اس نے سلطان منسا موسیٰ کے ساتھ حج کیا تھا جب موسیٰ یہاں آیا تو اسکے ساتھ ایک سفید فام قوم کا قاضی تھا، اس نے چار ہزار مثقال چرا کر بھاگنے کی کوشش کی موسیٰ کو اطلاع ملی تو خفا ہو کر قاضی کو مردم خواروں کے علاقہ میں بھجدیا رنگ کالا نہ ہونے کی وجہ سے کسی نے اسکو کھانے کے قابل نہ سمجھا چار سال تک انتظار کیا، کہ شاید پختہ ہو کر رنگ کالا ہو جائیگا جب ایسا نہ ہوا تو اسکو واپس بھجدیا۔

سلطان منسا سلیمان کے دربار میں ایک مرتبہ ان مردم خواروں کا ایک

امیر کی ہمراہی میں وفد آیا تھا، ان کے کانوں میں آدھہ بالشت چوڑی بالیاں پڑی تھیں۔ ہر ایک کے جسم پر ریشمی چادر تھی، سلطان نے اُن کی بڑی خاطر داری کی۔ ایک سیاہ فام عورت کو انکی خدمت کے لئے بھیجا، دربار سے واپس جاکر انھوں نے عورت کو کھالیا، اور ہاتھوں اور منہ پر اسکا خون ملکر دربار میں شکریہ ادا کرنے آئے، کہتے ہیں کہ عورت کے گوشت میں اُنکے پاس سب سے زیادہ مزہ دار حصہ ہتیلی اور چھاتی ہے۔ یہاں سے چلکر ابن بطوطہ اور اسکے ساتھی نہر کے بازو نوری نسا شہر میں پہونچے اس مقام پر ابن بطوطہ کی سواری کا اونٹ مر گیا، اسکو دیکھنے گئے تک کالے آدمیوں نے اسے کھاکر ختم کر دیا۔ زاغری سے دوسرا اونٹ منگواکر "میما" کے شہر کے باہر باولیوں کے قریب اتر پڑا، اکثر باشندے مسوفہ قبیلہ بربر سے تھے اور منہ پر ڈھاما باندھتے تھے جیسا کہ ملثموں کی عادت تھی، اس جگہ ابو اسحاق الساحلی غرناطی کا مزار ہے انکے وطن میں اُس کا لقب توَیجن تھا،

تمبکتو سے ابن بطوطہ ایک ہی لمبے موٹے شہتیر کو کھود کر بنائی ہوئی کشتی (CANOE) میں بیٹھ کر دریائے نائجر کے بہاؤ کے راستہ سے چلا، راتوں کو خشکی پر ٹھیر جاتا تھا اور نمک مسالہ اور شیشہ کے منکے دیکر گاؤں والوں سے گوشت اور مسکہ خریدتا ایک مقام پر پہنچا جسکا نام بھوات گیا۔ لیکن اس کا حاکم حاجی فرباسلیمان نہایت اچھا آدمی تھا، ایسا طویل القامت کہ کوئی سیاہ فام شخص اسکے قد کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ قوی ایسا کہ کوئی اسکی

کمان کو ختم نہ کرسکا تھا۔ ایک نوعمر لڑکا ابن بطوطہ کو بطور تحفہ دیا۔ مہماں نوازی میں اپنی لڑکی کی وفات کا بھی خیال نہیں کیا۔ لڑکا مراکش میں بھی ابن بطوطہ کی ملازمت میں رہا۔ پھر وہ گاؤ گاؤ گیا، جو سیاہ اقوام کے سب سے بڑے اور اچھے شہروں میں سے تھا، وہاں کا عثمانی نام کا کھیر امرے میں لاثانی تھا، اس جگہ کوڑیوں کے ذریعہ خرید و فروخت ہوتی تھی، مالی میں بھی یہی طریقہ رائج تھا،

[۱] افریقہ کی ابتدائی سیاہ قومی سلطنتوں کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے، سب سے پہلی سوڈانی سلطنت "غانہ" کی تھی، یہ دراصل بعد کے سوننکے (SONINKE) حکمرانوں کا لقب تھا، چوتھی صدی عیسوی کے قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے آئے ہوئے سفید فام لوگوں نے یہ سلطنت قائم کی، پایہ تخت کا مقام بدلتا رہا، نویں سے گیارھویں صدی تک کمبی (KUMBI) کے سوننکے غانہ کی سلطنت کے مالک بن بیٹھے، سنہ ۱۰۷۶ء میں مراکش کے المرابطین نے اسکو شکست دیا، اسکے زوال پر متعدد چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، ان میں سے سوننکے خاندان نے سوسو (SOSSO) کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ سنہ ۱۲۰۳ء میں غانہ پر دوبارہ تسلط حاصل کر کے سوننکے کی سلطنت کو دوبارہ قائم کیا، یہاں کی مسلم آبادی کفار کے اس تسلط سے انحراف کر کے ولاتہ کے پانی کے مقام "بیرو" (BIRU) پر قبضہ کیا، فاتح سردار سومنگورو (SUMAN GURU) مالنکے کی قوم سے لڑائی میں سنہ ۱۲۳۵ء مارا گیا۔

انکے بادشاہ "سنجاتا" یا "ماری جاتا" (MARIJATA) نے سوننکے کی سلطنت کو اپنے حیطۂ اقتدار میں شامل کر لیا۔ بعد کو مشرف باسلام ہوا اور اپنا دارالحکومت "مالی" میں قائم کیا۔ اسنے ۱۲۴۰ء میں غانہ کو فتح کر کے برباد کر دیا۔ کئی بادشاہوں کے تخت نشینی کے بعد موسیٰ (جسکا ابن بطوطہ نے موسیٰ منسا کے نام سے ذکر کیا ہے) کے دور حکومت (۱۳۰۷ء تا ۱۳۳۲ء) میں مالی کی سلطنت معراج کمال کو پہنچی۔ موسیٰ "سنجاتا" کی بہن کا نواسہ تھا، اسکے بیٹے اور جانشین "منسا مغان" (۱۳۳۲ء۔ ۱۳۳۶ء) کے عہد سلطنت میں حکومت کو عارضی زبونی ہوئی۔ لیکن موسیٰ کے بھائی منسا سلیمان (۱۳۳۶ء۔ ۱۳۵۹ء) کے عہد میں "مالی" کی سلطنت پھر زور پکڑ گئی۔ اس کے مرجانے پر خانہ جنگیاں شروع ہوئیں لیکن تاجر پر اسکا تسلط ۱۶۷۰ء تک قائم رہا۔ اسکے بعد وہ ختم ہو گئی

منسا موسیٰ نے گاؤگاؤ کی فتح (۱۳۲۵ء) کے بعد تمبکتو پر قبضہ کر لیا، ۱۳۳۳ء میں نیگا کی موسی (MOSSI) قوم نے اس شہر کو لوٹا اور جلا دیا۔ لیکن منسا سلیمان نے اسکی از سر نو تعمیر کی۔ حج کے موقع پر شاعر الساحلی سے اسکی مکہ میں ملاقات ہوئی۔ اسکو سوڈان چلنے کیلئے راضی کیا، الساحلی نے "گاؤگاؤ" اور "تمبکتو" کی مسجدیں تعمیر کرائیں آخرالذکر شہر میں ۱۳۴۶ء میں اسکی وفات واقع ہوئی۔

گاؤگاؤ نہ صرف مغربی شاہراہ مکہ اور شمالی مشرقی وسط صحارائی راستہ کے ملاپ کا اہم تجارتی مقام تھا بلکہ اقلیم افریقہ کے آر پار جانے کا بھی تجارتی راستہ تھا، گیارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں وہ "سونگھائے"

SONGHAY کی سلطنت کا دارالحکومت بن گیا۔ جبکہ اسکا بربر نژاد پہلا سلطان مشرف باسلام ہوا۔ منسا موسیٰ نے اس سلطنت کو ۱۳۲۵ء میں مالی کی سلطنت میں شامل کر لیا، لیکن سونی کے لقب سے SONNI یہ خاندان پھر سے برسر اقتدار آیا، اگرچہ برائے نام مالی کا ماتحت متصور ہوتا تھا، ۱۴۶۵ء سے ۱۴۹۲ء تک اس بربر نژاد سونی علی کی حکومت رہی اسکے بعد سوننی سپہ سالار محمد (۱۴۹۲ء تا ۱۵۲۹ء) نے اسکیہ خاندان کی بنیاد قایم کی اور اسکو بہت فروغ دیا۔ بالآخر مراکش کی فوج نے گاؤ گاؤ اور ٹمبکٹو کو ۱۵۹۱ء میں فتح کر لیا۔]

ابن بطوطہ گاؤ گاؤ میں تقریباً ایک مہینہ رہا، خشکی کی راہ سے تغدا کی طرف چلا۔ تغدا کے سوداگروں کے ایک بڑے کارواں کے ساتھ چلا۔ انکا قائد حاجی "دوجین" تھا۔ انکی زبان میں اس لفظ کے معنے بھیڑیئے کے تھے، راستہ میں ابن بطوطہ کے باربرداری کی اونٹنی مرگئی۔ قائد نے اسکا سامان دوسرے مسافروں کی سواری کے جانوروں پر تقسیم کردیا۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک مغربی نے جو تادلا کا تھا اپنے ذمہ عائد کردہ اس خفیف کام کا بار اٹھانا نہیں چاہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ابن بطوطہ کے ملازم لڑکے کو پیاس بجھانے کے لیے ایک مرتبہ پانی نہیں دیا۔

کارواں اب بَرداما کی قوم کے ملک میں داخل ہوا جو بربر نژاد تھی بغیر انکی محافظت کے وعدے کے کوئی شخص انکے ملک میں سفر نہیں کر سکتا تھا، عورت کا

وعدہ مرد کے وعدہ سے زیادہ واثق سمجھا جاتا تھا، یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی تھیں، انکا جسم بہت سڈول تھا اور رنگ گورا۔ خوب چاق و توانا۔ گرمی شدت کی تھی، ابن بطوطہ نے باوجود صفرے کی شکایت کے سفر جاری رکھا، کارواں جلد از جلد سفر کر کے تغذا پہنچا، شہر کے مکان سرخ پتھر کے بنے تھے، پانی تانبے کی کانوں میں سے ہو کر بہتا تھا۔ باشندوں کا پیشہ صرف تجارت تھی۔ زراعت میں کچھ گیہوں کی کاشت ہوتی تھی، وہ مصر سے ہر سال ضرورت کا سامان از قسم پارچہ وغیرہ لاتے تھے اور بہت مرفہ الحال تھے، مالی اور ابوالاتن کے لوگ بھی یہی کام کرتے تھے، (اس زمانہ میں تغذا۔ توراغ (TUARG) کے ملک کا سب سے بڑا شہر تھا، اسکا بربر سلطان برائے نام مالی کا تابع تھا، اور مسوفہ یعنی سنہاجہ قبیلہ کا سردار تھا، بقول بارتھ (BARTH) اگادس (AGADES) سے ۹۷ میل پر واقع تھا، تانبے کی کانوں کے متعلق بعض شارحین کو اختلاف ہے، لفظ تجدا کے معنے پانی جمع ہونے کا گڑھا ہے۔ العمری نے تانبے کی کانوں کی توثیق کرتا ہے۔

ابن بطوطہ تانبے کی برآمدگی اور اسکی سلاخوں کی تیاری اور تجارت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ کہتا ہے سلاخیں "کوبر" کے شہر اور کفار کے ملک میں زغائی (ZAGHAY) کو اور "برنو" کے ملک کو (جو تغذا سے چالیس دن کا راستہ تھا) بھیجی جاتی تھیں۔ "برنو" کے باشندے مسلماں تھے، انکا سلطان اپنی رعایا کو اپنا چہرا نہیں دکھاتا تھا، پردے کے پیچھے سے اُنسے گفتگو کرتا تھا،

اس ملک سے بہت اچھی کنیزیں خواجہ سرا اور زعفرانی رنگ کے کپڑے برآمد ہوتے تھے۔ تانبا جوجو وغیرہ کو بھی جاتا تھا، سلطان ایک دن کی راہ پر تھا، ابن بطوطہ اسکی ملاقات کو گیا، تو گھوڑے پر بغیر زین کے سوار ہو کر ملنے آیا۔ اسکے سفر کے حالات سنکر اسکو اپنی محافظ فوج بنا بتون کے ایک خیمہ میں اتارا قریب میں سلطان کی ماں اور بہن کے خیمے تھے وہ اسکے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئیں چھ دن اس کا یہاں قیام رہا، صبح و شام ایک تلا ہوا بکرا ملتا تھا اور تازہ دودھ۔ رخصت ہوتے وقت سلطان نے اسکو ایک اونٹنی اور دس مثقال سونا عطا کیا، یہ شکریہ ادا کرکے تکدا واپس ہوا۔ اسکے کچھ ہی بعد مرینی سلطان مراکش ابو عنان نے قاصد بھیجکر اسکو وطن واپس بلایا وہ اپنے ساتھ اونٹ اور ستر دن کا توشہ اور سازوسامان لیکر "توات" (TAWAT) کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں سوائے گوشت اور مسکہ کے کچھ نہیں ملتا تھا جس کے خریدنے کے لئے پارچہ دینا پڑتا تھا، اناج کی قسم سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی،

وہ پنجشنبہ ۱۱ شعبان ۷۵۴ھ (۱۱ ستمبر ۱۳۵۳ء) کو تکدا سے روانہ ہوا کارواں کے ساتھ چھ سو کنیزیں بھی تھیں۔ کاھر میں چارہ افراط سے ملتا تھا۔ اس کے بعد تین دن کا راستہ بے آب و دانہ طے کرنا پڑا پھر پندرہ دن ایک صحرا میں سے گذرا جو بالکل غیر آباد تھا، لیکن وہاں پانی ملتا تھا۔ اس مقام سے غات (GHAT) کا راستہ شروع ہوتا تھا، جو مصر جاتا تھا، زیر زمین پانی استعمال کیا جاتا تھا، لیکن لوہے پر سے بہنے کی وجہ سے

اس میں سفید کپڑا دھوتے ہی کالا پڑ جاتا تھا،

یہاں سے چلنے کے دس دن بعد کارواں ہغار (HAGGAR) کے ملک میں پہنچا، جو بربر کی ایک قوم سے تھے اور ملثموں کی طرح منھ پر ڈھاٹا باندھتے تھے، کہتا ہے کہ یہ لوگ بڑے شریر تھے، وہاں کارواں ماہ رمضان میں پہنچا اس لئے بموجب روایات قدیم اس مہینہ میں انہوں نے کاروانیوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا، انکی عادت تھی کہ اس مبارک مہینہ میں اگر راستہ میں کسی کا مال و اسباب گرا پڑا بھی دیکھتے تھے تو اسکو ہاتھ نہیں لگاتے بربر قوموں کا سب جگہ اس مہینہ میں یہی طرز عمل تھا۔

کارواں پھر شہر بودا میں (BUDA) داخل ہوا، یہاں ریت اور نمک کی دلدل کے سوا کچھ نہ تھا، چند کھجور کے درخت تھے۔ لیکن پھل بدمزہ تھا، اگرچہ وہاں کے باشندے اسکو سجلماسہ کے خرما سے افضل تصور کرتے تھے۔ باشندگان ملک کی غذا خرما اور ٹڈے تھی۔ ٹڈے صبح کیوقت پکڑے جاتے تھے، جبکہ سردی کی وجہ سے وہ اڑ نہیں سکتے تھے، اور کھجور کی طرح خشک کرکے کھانے کے لئے جمع کئے جاتے تھے، بودا میں کچھ دن ٹھیر کر ایک کارواں کے ساتھ وسط ذوالقعدہ میں سجلماسہ پہنچے، ۲ ذی الحجہ (۲۹ دسمبر) کو جب ابن بطوطہ یہاں سے نکلا تو اوم جنینیہ کے راستہ میں انتہا درجہ سردی محسوس ہوئی۔ برف باری ایسی تھی کہ سمرقند و بخارا اور ترکوں کی سرزمین میں بھی اس نے ایسی نہیں دیکھی تھی، عید سے ایک

دن پہلے دار التمع میں داخل ہوا۔ وہاں عید کی نماز پڑھ کر فاس" دار الخلافت سلطان ابو عنان کی طرف چلا۔ شہر پہنچنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کے اسکے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اسکے سایۂ عاطفت میں سکونت اختیار کی ۔

[کاہر کا اصلی نام ایر (AIR) ہے ہگار یا ہغار اب اہگار کہلاتا ہے۔ یہ وادی توات میں ۲۸ درجہ شمالی عرض بلد اور ۱۰ مشرقی طول بلد کا شہر ہے۔ مراکش کے باشندے بھی عربوں وغیرہ کی طرح ٹڈے کھاتے ہیں ۔]

ابن جزی سفرنامہ کو ختم کر کے کہتا ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ ابن بطوطہ کو اگر دنیائے اسلام کے تمام سیاحوں کا سب سے بڑا سیاح کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ حقیقت حال یہ ہے مسلم یا غیر مسلم سیاحوں میں جو محض اپنے شوق ملک بینی کی خاطر بغیر کسی سیاسی ریشہ دوانیوں کی امداد کے دنیا کے مختلف ممالک و اقوام کا اس طرح بغور مطالعہ کیا۔ اور سچ سچ حال بیان کیا۔ مشکل ہی ہے کوئی دوسرا شخص اس پایہ کا بتایا جا سکتا ہے۔